مذاہبِ عالم میں

شادی بیاہ کی تعلیمات

حافظ محمد زاہد

فاضل وفاق المدارس العربیہ

ایم اے علوم اسلامیہ



فون: 32212991-32629724

042-37320318 / 042-37300894

kitabsaray@hotmail.com

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا (القرآن)

مذاہبِ عالم میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

(ایم اے علومِ اسلامیہ کا تحقیقی مقالہ)

حافظ محمد زاہد
فاضل وفاق المدارس العربیہ
ایم اے علومِ اسلامیہ

کتاب سرائے، لاہور

تعارفی نوٹ

زیرِ نظر کتاب ''مذاہب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات'' دراصل ایم اے علوم اسلامیہ کا تحقیقی مقالہ ہے جو 07-2006ء میں بعنوان ''شرائط ولوازماتِ نکاح: ادیان ومذاہب کا مطالعہ'' شعبہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور نے منظور کیا۔ بہت سے لوگوں کی توجہ دلانے پر اس تحقیقی مقالہ کو نظرِ ثانی کے بعد کتاب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

15 مارچ 2012ء — حافظ محمد زاہد

21 ربیع الثانی 1433ھ

پرنٹ لائن

نام کتاب:	مذاہب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات
کمپوزنگ اور ڈیزائننگ:	حافظ محمد زاہد
طبع اول:	مارچ 2012ء۔ ربیع الثانی 1433ھ
تعداد	500
زیرِ اہتمام:	منور پبلی کیشنز' لاہور۔ 35162866
ناشر:	کتاب سرائے' لاہور۔ 37320318
ملنے کے پتے:	☆ کتاب سرائے' الحمد مارکیٹ' اردو بازار' لاہور ☆ مکان نمبر 55' بلاک "C" جوہر ٹاؤن' لاہور
قیمت:	200

عنوانات

انتساب

للہ ولرسولہ

والدین بنی نوعِ انسان

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے نام

جنہوں نے ازدواجی زندگی کی بنیاد رکھی

اور

اپنے قابلِ احترام والدین

منور حسین اور پروین اختر کے نام

جنہوں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا

تعارفِ مؤلّف

نام	حافظ محمد زاہد
والد	منور حسین
تعلیم	۞ حفظِ قرآن جامعہ مخزن العلوم، کراچی۔1992 تا 1994 ۞ فاضل درسِ نظامی جامعہ عثمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور/ وفاق المدارس العربیہ، ملتان۔1996 تا 2003 ۞ ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔2005 تا 2007
ایڈیٹرشپ	رسالہ ''البدر'' شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ 2006 میں بطور ایڈیٹر اور 2007 میں بطور چیف ایڈیٹر
مضامین	اسلامی اور معاشرتی موضوعات پر مشتمل (مدلّل انداز و بیان میں) 16 مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔
ملازمت	ادارتی معاون، قرآن اکیڈمی، لاہور آفس اسسٹنٹ، انرجی ڈیپارٹمنٹ، لاہور
پتہ	مکان نمبر 55، بلاک "C" جوہر ٹاؤن، لاہور
فون نمبر	+92 321 4291904 +92 423 5162866
ای میل	pmzahids@yahoo.com

اِظہارِ تشکّر

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ!

تمام صفاتِ الوہیّت اور تمام کلماتِ تشکّر اللہ جلّ شانہٗ اور ربّ العالمین کے لیے‘ جس نے ہمیں انسان‘ مسلمان اور پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ کا اُمتی بنایا اور ہمیں علم وشعور جیسی نعمتوں سے نوازا۔ اور لاکھوں درود وسلام اور برکتیں ہوں رحمۃٌ للعالمین محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اور ہزاروں رحمتیں ہوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جنہوں نے اپنا جان و مال دینِ اسلام پر قربان کر کے ہمارے لیے ہدایت کے راستوں کو آسان کر دیا کہ ہم ان راستوں پر چل کر دارین کی فلاح پا سکیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی: ’’جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا‘‘ کے پیشِ نظر میں بے حد ممنون اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اپنے قابلِ احترام والدین (منور حسین اور پروین اختر) کا‘ جنہوں نے میرے لیے اتنا کچھ کیا جن کی تفصیل ذکر کرنے بیٹھوں تو شاید صفحات کم پڑ جائیں۔ ان کے مجھ پر ہزاروں احسانات ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے مجھے حفظِ قرآن جیسی دولت سے مالا مال کرایا‘ مجھے دینی تعلیم دلوائی‘ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم بھی دلوائی‘ میرے علمی سفر میں ہمیشہ میری رہنمائی کی‘ اس سفر میں آنے والی پریشانیوں میں مجھے حوصلہ دیا‘ میری کامیابیوں کے لیے ہر لمحہ دعا گو رہے اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس موضوع پر اپنا قلم اُٹھا سکوں۔ مجھے یہ تسلیم کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی کہ میری محنت سے زیادہ اُن کی دعاؤں نے اس مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ان کی محبتوں‘ شفقتوں‘ احسانات اور دعاؤں کا بدلہ تو میں کسی صورت نہیں چکا سکتا‘ میں اپنے ربّ کے حضور انتہائی عاجزی وانکساری سے یہ دعا کر سکتا ہوں کہ اے میرے پروردگار! تو میرے والدین کو ہمیشہ خوش وخرم رکھ‘ ہر دکھ درد‘ تکلیف اور مصیبت سے اُن کی حفاظت فرما اور ’’اے ہمارے پروردگار! میرے والدین پر اُسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا‘‘۔ اے اللہ! تو میری طرف سے میرے والدین کو‘ مجھ پر کیے گئے احسانات کا بدلہ دے اور اُن کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھیو۔ آمین یا ربّ العالمین!

اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل میں بہت سی شخصیات کی معاونت اور پُرخلوص تعاون میرے شاملِ حال رہا‘ اگر میں اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنے قلم کو جنبش نہ دوں تو یہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ میں بے حد ممنون اور شکر گزار ہوں جناب ڈاکٹر غلام علی خان صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر‘ شعبہ علوم اسلامیہ‘ پنجاب یونیورسٹی‘ لاہور) اور بالخصوص جناب گلزار احمد صاحب (سابقہ پادری) کا‘ جنہوں نے اس مقالہ میں میری رہنمائی اور مدد کی اور مجھے اس قابل بنایا کہ اس موضوع پر کچھ لکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا وآخرت کی بھلائیاں نصیب کرے۔ آمین!

ان کے علاوہ میں شکر گزار ہوں اپنے تمام اساتذہ کرام کا‘ جن کی محنت اور دعاؤں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا اور اپنے بہن بھائیوں اور بالخصوص اپنی بیوی (ثمرین زاہد) کا جن کے ہاتھ میری کامیابیوں کی دعا کرتے نہیں تھکتے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ میرے اس کام میں جتنے بھی لوگوں نے بلا واسطہ یا بالواسطہ میری مدد یا رہنمائی کی‘ اللہ تعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اس ادنیٰ سی کاوش کو اسلام کی ترقی اور میرے اور میرے والدین واہلِ خانہ کے لیے دارین کی فلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

حافظ محمد زاھد
0321-4291904
pmzahids@yahoo.com

مُقدّمہ

ازدواجی زندگی کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، یہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے شروع ہوئی اور ہر دور، تہذیب، معاشرہ اور مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں مختلف ناموں سے رائج رہی ہے۔ تقریباً دنیا کے تمام مذاہب نے مرد وعورت کے ملاپ کا جائز اور قانونی ذریعہ شادی بیاہ کو ہی قرار دیا ہے اور اس کے بغیر مرد وعورت کے ملاپ کو بری نگاہ سے دیکھا ہے اور قابلِ گرفت سمجھا ہے۔

ہر مذہب، چاہے آسمانی ہو یا غیر آسمانی، میں شادی بیاہ کے قوانین اور ہر معاشرہ میں شادی بیاہ کی رسومات مختلف ہیں، جبکہ بعض رسومات تو ایسی ہیں جن کی وجہ سے ہر شخص پریشان ہے حالانکہ بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رسومات کو مذہب نے انسان پر عائد نہیں کیا، بلکہ انسان نے خود ہی ایسی مشکل اور ناقابل عمل رسومات کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے جس کی بنا پر شادی بیاہ کے آسان مذہبی معاملہ کو معاشرہ نے پیچیدہ اور مشکل ترین بنا دیا ہے۔

کسی کو کیا کہنا، ہم مسلمانوں کا حال بھی دوسروں سے مختلف نہیں ہے۔ شادی بیاہ کا وہ معاملہ جو انسانوں کی فلاح کے لیے بنایا گیا تھا، معاشرہ نے اسے لوگوں کے لیے اتنا ضرر رساں بنا دیا ہے کہ ہر شخص اس معاملے میں پریشان نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شادی جو ایک خوشی کی چیز تھی، اس زمانہ میں ایک مصیبت اور غم کا سامان بن کر رہ گئی ہے اور لڑکی کے والدین کے لیے تو یہ عذابِ جان سے بھی بڑھ کر ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن لڑکیوں کے مرنے اور زندہ جل جانے کی خبریں سامنے آتی رہتی ہیں اور آج بھی جاہلیت کی بات ثابت ہوتی نظر آتی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ (النحل)

’’اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔‘‘

اس موضوع کو منتخب کرنے کا میرا مقصد بھی یہی ہے کہ مختلف مذاہب میں شادی بیاہ

سے متعلقہ قوانین اور شادی بیاہ کی مروّجہ رسومات کو بیان کروں اور بالخصوص اسلام کی سادگی کو بیان کرکے یہ واضح کروں کہ شادی بیاہ کا معاملہ صرف معاشرتی رسومات کی وجہ سے پیچیدہ بن گیا ہے، ورنہ آج بھی اگر کوئی ان معاشرتی رسومات کے بجائے صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو تو شادی سے آسان کوئی معاملہ نہیں ہے۔

چونکہ یہ ایک پیچیدہ موضوع ہے اس لیے مجھے بعض مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا اور مواد کی کمی نے مجھے کافی پریشان رکھا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ان مذاہب کی بنیادی کتب تک رسائی ممکن ہوئی اور بہت سے لوگوں کی رہنمائی وتعاون نے مواد کی کمی کے مسئلے کو کسی حد تک حل کر دیا، مگر یہودیت کے بارے میں بنیادی کتب میسّر نہیں آئیں اس لیے یہودیت کے باب میں انٹرنیٹ سے مدد لی گئی ہے۔

اس کے علاوہ میں نے اس مقالہ کی تیاری کے دوران کئی عملی کام بھی کیے ہیں، مثلاً مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور گرجا گروں اور مندروں کا سروے بھی کیا۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے مقالہ کو مدلل انداز میں پیش کرسکوں۔

میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی شادیوں میں شریک ہوکر ان کی شادیوں کا بعینہٖ معائنہ کروں اور پھر ان شادیوں کا آنکھوں دیکھا حال بھی اس مقالہ میں بیان کرسکوں، مگر ایسا ممکن نہیں ہوسکا جس کا مجھے عمر بھر ملال رہے گا۔

ازدواجی زندگی چونکہ ایک معاشرتی معاملہ ہے اس لیے اس کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ موضوع کی اسی وسعت کو مدّنظر رکھتے ہوئے میں نے اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

باب اول: پہلے باب کو میں نے دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ فصل اول میں نکاح کے معنی ومفہوم، نکاح کی تعریف اور مختصراً نکاح کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں مختلف تہذیبوں میں شادی بیاہ کے تصور اور قانون کو مختصراً بیان کیا گیا ہے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اسلام سے پہلے کی جو تہذیبیں تھیں ان میں شادی بیاہ کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جاتا تھا۔

باب دوم: دوسرے باب میں دنیا کے قدیم ترین مذہب ہونے کے دعوے دار ہندومت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔ان تعلیمات میں ہندومت کے معیارِ رشتہ‘ پیغام نکاح‘ منگنی‘ شادی کے دن کی تفصیل اور شادی کی رسومات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد دوسرے ازدواجی قوانین مثلاً تعدد ازدواج‘ مشترکہ بیوی کا رواج‘ ہندو معاشرہ میں بیوہ کی حالت اور ہندومت میں بیوہ کے نکاح ثانی سے متعلق تعلیمات کو کافی تفصیل سے اس باب میں بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم: غیر آسمانی مذہب میں سے ہندومت کو بیان کرنے کے بعد تیسرے باب میں آسمانی مذاہب میں سے یہودیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔اس باب میں بھی ان ہی چیزوں کو زیر بحث لایا گیا جن کو ہندومت کے باب میں زیر بحث لایا گیا ہے‘ مثلاً منگنی‘ شادی کے دن کی تفصیل و رسومات‘ تعدد ازداج‘ شادی کی عمر‘ محرمات اور آخر میں زنا اور اس کی سزا کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کے لزوم کو بیان کیا گیا ہے۔

باب چہارم: یہودیت کے تصوّرِ نکاح کو بیان کرنے کے بعد اس باب میں عیسائیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس باب میں عیسائیت کے حوالے سے پیغام نکاح‘ منگنی اور اسکی رسومات‘ شادی کی رسومات‘ شادی کی عمر‘ والدین کی رضامندی‘ دلہا دلہن کا قول و قرار‘ تعدد ازدواج‘ مہر کا تصور اور آخر میں زنا اور اس کی سزا کے ساتھ ساتھ جبری آبروریزی کی صورت میں ہونے والے نکاح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

باب پنجم: اس باب میں اسلام میں شادی بیاہ کی تعلیمات اور تمام قوانین کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اس باب میں ہر عنوان کو شروع کرنے سے پہلے باقی مذاہب کے اس کے بارے میں تصور کو مختصراً ذکر کرنے کے بعد اسلام کے نقطہ نظر کو بیان کیا گیا ہے اور پھر موازنہ کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات کے فطرتی ہونے اور اس کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دین اسلام کی فوقیت مذاہبِ عالم پر ثابت ہو جائے —— یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ اسلام کے تصور نکاح اور باقی ازدواجی قانون کو دیکھ کر منصف پسند اور بغض سے پاک غیر مسلم بھی اسلام کی حقّانیت کو تسلیم کیے بنا نہیں رہ سکتے۔

اس باب میں مذہبی اور معاشرتی طور نکاح کے پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے‘ مثلاً نکاح

کے ارکان کو بیان کرنے کے بعد منگنی اور شادی کی غیر اسلامی اور فضول رسموں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام میں نکاح کا تصور کتنا آسان ہے اور معاشرے نے اسے کتنا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ لوگ اب تجرد کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

آخر میں تمام ابواب کا خلاصہ مختصر طور پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔

بعد از تحقیق مجھے مذاہبِ عالم میں سے اسلام کی جامعیت وحقّانیت پر پختہ یقین ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام نے واضح تعلیمات نہ دی ہوں۔ازدواجی زندگی کے قوانین کو بھی شریعتِ اسلامیہ نے تفصیلاً بیان کیا ہے جس کے مطالعہ سے ایک مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر محسوس ہوتا ہے اور اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ شادی کا معاملہ آج بھی اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ دورِ نبوی ﷺ میں تھا‘ مگر شرط صرف اتنی ہے کہ معاشرہ کے رسم و رواج کو مدنظر رکھنے کے بجائے صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

مقالہ کے آخر میں کتابیات کی فہرست بھی دی گئی ہے تاکہ بوقت ضرورت سند رہے اور جو کوئی ان عنوانات سے متعلق مزید تفصیل پڑھنے کا خواہش مند ہو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر کے اپنی علمی پیاس بجھا سکے۔

میرا موضوع اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت دقیق اور پیچیدہ تھا اور یہ ممارست و مہارت کا متقاضی تھا‘ جبکہ مجھے اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس واعتراف ہے۔میری کم علمی کی وجہ سے اس مقالہ میں اگر کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس پر میں معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ قارئین مجھے میری غلطی پر ضرور متنبہ فرمائیں گے۔

آخر میں‘ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے میں نے اپنی بساط کے مطابق اس موضوع کے متعلق مستند حقائق پیش کرنے کی کوشش کی۔اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو قبول فرمائے۔آمین یارب العالمین!

حافظ محمد زاهد

رپورٹ برائے مقالہ

SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
University of Peshawar - Pakistan

رپورٹ مقالہ ایم اے اسلامک سٹڈیز

زیرِ عنوان: شرائط ولوازمات نکاح۔۔۔ادیان ومذاہب کا مطالعہ

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کی طرف سے ارسال کردہ مقالہ بعنوان "شرائط ولوازمات نکاح۔۔۔ادیان ومذاہب کا مطالعہ" از مقالہ نگار محمد زاہد زاہدی کا میں نے بالاستیعاب بغور مطالعہ کیا۔ باحث نے۔

(۱) مقالے کا تحقیقی اور علمی مقام برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔
(۲) موضوع کو جامع انداز میں پیش کیا ہے۔
(۳) اسلام کا دیگر ادیان کے ساتھ تقابل کر کے اسلام کی حقانیت کو دلائل کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔
(۴) ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔
(۵) مقالے کے مطالعے سے محقق کے علمی تشخص کا اندازہ ہو جاتا ہے۔
(۶) ہر مذہب کے مراجع ومصادر سے کافی حد تک استفادہ کیا ہے۔
(۷) باحث علم دوست اور صاحب درد وفکر اور اسلام کے ساتھ اچھا جذبہ رکھنے والا معلوم ہوتا ہے۔
(۸) عصری تناظر کو بھی مد نظر رکھا ہے۔
(۹) اسلام کے خاندانی نظام کے خصوصیات اور فوقیت کو ثابت کیا ہے۔
(۱۰) مقالہ نگار نے اسلام میں عورت کے مقام، مرتبہ اور عزت وتکریم کی مستند اور مدلل انداز میں وکالت کی ہے۔

لہٰذا سفارش کی جاتی ہے کہ باحث کو ایم اے کی ڈگری ممتاز (Excellent) درجے میں دی جائے۔

تاہم مقالے کا علمی جائزہ اور احتساب بھی ایک علمی ذمہ داری اور دیانت ہے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل ملاحظات بھی ہیں۔

Phone: (091) 9216746 Fax: (091) 9216747
E-mail: shzayed@islamic.psw.erum.com.pk Internet: szic@psh.brain.net.pk

SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
University of Peshawar - Pakistan

۱۔ عنوان مقالہ کو مزید جامع اور مختصر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً "نکاح کا معروف ادیان ومذاہب میں مطالعہ"
۲۔ شروط ولوازمات تک بحث کو محدود نہیں کیا گیا، دیگر موضوعات بھی شامل ہیں۔
۳۔ بعض موضوعات اور مباحث میں غیر ضروری طوالت سے کام لیا گیا ہے خاص کر ہندومت میں۔
۴۔ قرآن واحادیث مبارکہ پر اعراب نہیں لگائے گئے ہیں جو ضروری ہیں۔
۵۔ بعض مقامات پر ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔
۶۔ بعض مترجم کتابیں استعمال کی گئی ہیں اصل مراجع تک رسائی چاہئے تھی۔
۷۔ فقہی آراء ذکر کرتے وقت متعلقہ فقہی مسلک کے کتابوں کو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔
۸۔ بعض مقامات پر کتابوں کے مؤلفین کے نام ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

تاہم مقالے کا علمی مقام اپنی جگہ پر مسلّم ہے اور باحث اس علمی کام پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

ممتحن خارجی
از ڈاکٹر صاحب اسلام
اسسٹنٹ پروفیسر
شیخ زاید اسلامک سنٹر
پشاور یونیورسٹی
مورخہ: ۲۶؍جنوری ۲۰۰۸ء

Phone: (091) 9216746 Fax: (091) 9216747
E-mail: shzayed@islamic.psw.erum.com.pk Internet: szic@psh.brain.net.pk

نوٹ: درج بالا رپورٹ، مقالہ کے مُمتحن خارجی ڈاکٹر صاحب اسلام، اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پاکستان کی مرتب کردہ ہے جس کو سکین کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس رپورٹ میں جن ملاحظات کی طرف مُمتحِن نے توجہ دلائی انکو بفضل اللہ تعالیٰ پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (حافظ محمد زاہد)

باب اوّل

تعارفِ نکاح

تعارفِ نکاح

خاندان کے اجزائے ترکیبی میں ایک مرد، ایک عورت اور ان کے بچے شامل ہیں اور خاندان کی بقا کے لیے مرد و عورت کا باہمی تعلق ضروری ہے۔ اس تعلق کے لیے تقریباً تمام مذاہب نے مرد و عورت کے درمیان شادی کے بندھن یعنی نکاح کو لازمی قرار دیا ہے اور اس کے بغیر تعلق قائم کرنے کو قابلِ گرفت اور ناجائز قرار دیا ہے۔ مرد و عورت کا یہ ازدواجی تعلق نسلِ انسانی کی بقا کے لیے ناگزیر عنصر ہے۔ ابوریحان البیرونی مرد و عورت کے ازدواجی تعلق کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''کوئی قوم ازدواج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس سے شہوانیت، جس کو ہر مہذّب ذہن برا سمجھتا ہے، بے لگام ہونے سے رک جاتی ہے اور ان وجوہات کا انسداد ہو جاتا ہے جو حیوانات کو ایسا مشتعل کر دیتے ہیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر آپ ان جانوروں پر غور کریں جو جوڑے کی شکل میں رہتے ہیں اور دیکھیں کہ اس جوڑے کا ہر فرد کس طرح دوسرے کی مدد کرتا ہے اور جوڑا بن کر رہنے کی وجہ سے یہ کس طرح دوسرے جانوروں کی شہوت سے محفوظ رہتے ہیں تو آپ بلا تامل یہ کہہ اٹھیں گے کہ ازدواج ایک ضروری ادارہ ہے اور زنا ایک ایسا شرمناک عمل ہے جو انسان کو جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے حالانکہ حیوانات کا درجہ انسان سے بہت نیچے ہے۔''①

تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ نکاح یا شادی بیاہ کا یہ ازدواجی تعلق اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان قدیم ہے۔ نسلِ انسانی کا پہلا شخص بھی اس ازدواجی تعلق سے سرشار تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کے نکاح کا بندوبست کیا اور یہ باور کرایا کہ مرد اور عورت کے تعلق کے لیے شادی

یعنی نکاح کا ہونا لازمی ہے اور اس کے بغیر ایک مرد و عورت کا تعلق ناجائز ہے۔

شادی بیاہ کا یہ تعلق تقریباً دنیا کی تمام تہذیبوں میں کسی نہ صورت میں پایا جاتا ہے اور یہ انسانی تہذیب و تمدن میں سب سے مقدّم اور اہم مسئلہ ہے۔ انسانی معاشرہ میں اس کی اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مرد و عورت کا یہ رشتہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے ملاپ سے شروع ہوا اور ہر زمانے و تہذیب میں مختلف طریقوں سے رائج رہا۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی:

> ''نکاح انسانی تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے اور آج تک کے حکماء و عقلاء پریشان و سرگرداں رہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگِ بنیاد ہے اور تکمیلِ انسانیت کے لیے شادی کی ضرورت ہر قوم اور ہر زمانہ میں اہم رہی ہے۔''②

فصل اول

نکاح کا معنی و مفہوم

عربی اور اردو زبان میں نکاح کا لفظ رائج ہے جبکہ اردو میں نکاح کے مترادف الفاظ شادی، بیاہ بھی رائج ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کے لیے marriage کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

نکاح کے لغوی معنی

نکاح کے لغوی معنی کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

> ''لغت کی رو سے اس کے معنی ''وطی'' (یعنی مباشرت یا جماع) اور باہم ملنے کے ہیں۔ چنانچہ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور وہ باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے ''تناكحت الاشجار'' (یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا یا درخت گڈ مڈ ہو گئے) اور اس کا اطلاق بطور مجاز (مرسل) کے عقد (نکاح) پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سبب ہے مباشرت کا۔''③

القاموس الفقهي لغةً و اصطلاحًا میں لغوی معنی اس طرح درج ہیں:

''لغت کی رو سے نکاح سے مراد اشیاء کو جمع کرنا ہے۔ ایک شے کے دوسری میں پیوست ہونے یا جذب ہو جانے پر نکاح کا لفظ بولا جاتا ہے۔''[4]

نکاح کے شرعی معنی

نکاح کے شرعی معنی کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

''دوسرے معنی اصولی ہیں جسے شرعی معنی بھی کہتے ہیں۔ اس بارے میں علماء کے تین مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ نکاح کے معنی بالکل لغوی معنی کی طرح ''مباشرت'' کے اور مجازی معنی عقدِ نکاح کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معنی لغوی سابقہ کے برعکس نکاح کے حقیقی معنی ''عقد'' کے ہیں اور مجازی معنی ''وطی'' کے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں یہ لفظ زیادہ تر عقد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ نکاح عقد اور وطی دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ دراصل اقوالِ ثلاثہ میں سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے۔''[5]

دائرہ معارفِ اسلامیہ کا مقالہ نگار نکاح کے شرعی معنی بایں الفاظ بیان کرتا ہے:

''ایک ایسا شرعی معاہدہ جس کے ذریعے مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے درمیان دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔''[6]

نکاح کے فقہی معنی

نکاح کے تیسرے معنی فقہی ہیں جس کی تعبیر فقہاء نے مختلف عبارتوں سے کی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ عقدِ نکاح شارع نے اس لیے رکھا ہے کہ اس سے خاوند اپنی بیوی کے تمام جسم سے محفوظ ہو سکے۔ علامہ الجزیری نے کتاب الفقہ میں حنفی، مالکی اور شافعی فقہاء سے نکاح کی جو تعریفیں منقول ہیں انکو بیان کیا ہے:

احناف کے نزدیک: نکاح ایک معاملہ ہے جو اس ارادہ سے کیا جائے کہ ایک شخص ملک

متعہ کا مالک ہو جائے۔

شوافع کے نزدیک: نکاح ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اس سے مباشرت کی ملکیت حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذتِ معلومہ سے تمتّع کا مالک ہو جائے۔

مالکیہ کے نزدیک: نکاح محض جنسی لذت (یا عورت سے مباشرت) کے لیے ایک معاملہ ہے جو حصولِ لذّت سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔[7]

مظاہرِ حق میں نکاح کی فقہی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے:

''علماء فقہ کی اصطلاح میں نکاح اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیّت کا تعلّق پیدا ہوتا ہے۔''[8]

نکاح کی تعریف

صاحبِ شرح وقایہ نے نکاح کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:

هو عقد موضوع لملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من المرأة[9]

الدر المختار میں نکاح کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

هو عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من المرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي[10]

مولانا مجاہد الاسلام نکاح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح مرد و عورت کے درمیان شرعی اصولوں پر کیا گیا معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق جائز اور پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہو جاتا ہے اور باہم حقوق و فرائض عائد ہو جاتے ہیں۔''[11]

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نکاح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعے مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے درمیان دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔''[12]

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار marriage کے تحت لکھتا ہے:

Marriage has two main functions. It is the means adopted by human society for regulating the relations between the sexes and its furnishes the mechanism by means of which the relations of a child to the community is determined.[13]

''شادی کے دو اہم کام ہیں: ① اس کے ذریعے انسانی معاشرہ میں مرد وعورت کے درمیان تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ ② اس کے ذریعے ہمیں وہ لائحہ عمل ملتا ہے جس سے ایک بچے کے معاشرہ کے ساتھ تعلقات طے ہوتے ہیں (یعنی پیدا ہونے والے بچہ کا نسب اور اس کے والدین کا تعین ہوتا ہے)۔''

فصل دوم

قدیم تہذیبوں میں شادی بیاہ کا تصور

نکاح انسانی تہذیب وتمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے۔ انسانی معاشرہ میں اس کی اہمیت تعارف کی محتاج نہیں۔ مرد وعورت کا رشتہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے ملاپ سے شروع ہوا اور ہر زمانے وتہذیب میں یہ مختلف طریقوں سے رائج رہا۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی:

''نکاح انسانی تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے اور آج تک کے حکماء و عقلاء پریشان وسرگرداں رہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگِ بنیاد ہے اور تکمیلِ انسانیت کے لیے شادی کی ضرورت ہر قوم اور ہر زمانہ میں اہم رہی ہے۔''[14]

ذیل میں قدیم معاشروں اور تہذیبوں میں شادی بیاہ کے تصور اور تعلیمات کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے:

یونانی تہذیب

زمانہ قدیم میں جس قوم کی تہذیب سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یونان کی تہذیب ہے۔ یہاں شادی کا ایک نظام رائج تھا، لیکن اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی، قانونی اور معاشرتی لحاظ سے عورت کی حیثیت گری ہوئی تھی۔ بقول ڈاکٹر خالد علوی:

''اخلاقی بنیادوں پر عورت کی حیثیت بے بس غلام کی سی تھی اور مرد کو اس معاشرے میں ہر اعتبار سے فوقیت حاصل تھی بلکہ بداخلاقی کی اس فضا میں عورت صرف ہوس کا نشانہ تھی۔ عورت کو تمام مصائب کا سبب قرار دیا گیا تھا۔''[15]

یونانی معاشرہ میں شادی کا طریقہ تو رائج تھا، مگر اس کے قوانین بہت دقیانوس تھے۔ بقول مولانا محمد جعفر خان:

''لیکن یونان میں نکاح پر کوئی قدغن یا پابندی نہ تھی جو شخص جس سے چاہتا نکاح کر لیتا حتیٰ کہ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور بعض موقعوں پر ثواب سمجھا جاتا تھا۔''[16]

مولانا سید جلال الدین عمری یونانی تہذیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا۔ اس کی زندگی مدۃ العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں۔ اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس وحیا کے منافی تھا...... ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا یعنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظتِ ملک کے کام آئے اور اسپارٹا کے قانون میں تو یہ تصریح موجود تھی کہ کمسن وضعیف القوی شوہروں کو اپنی کمسن بیویاں کسی نوجوان کے حبالۂ عقد میں دے دینا چاہیے تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔''[17]

بعض یونانی لوگوں نے نکاح کے اس قانون کے باوجود خود کو بازارِ حسن سے وابستہ

کر رکھا تھا۔ ان کی اخلاقی حالت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ قحبہ خانہ یونانی سوسائٹی کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرکز و مرجع بنا ہوا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''یونان میں نکاح کے بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل ٹھیک اور معقول سمجھا جاتا تھا تاہم کچھ طبقہ ایسا بھی موجود تھا جو مذہبی نکتہ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ازدواجی تعلق کے لیے نکاح ہی کو موزوں خیال کرتا تھا۔''⑱

رومی تہذیب

یونان کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہلِ روم تھے۔ یہاں بھی عورت پستی کا شکار تھی اور بیوی کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔ بقول مولانا جلال الدین عمری:

''غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ مرد اس غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے۔ وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں تھا......عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا۔ افسرِ خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر' اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔''⑲

رومی جمہوریت کے زمانہ میں عورت اور نوجوان نسل کو کس کر رکھا گیا تھا اور اخلاق کا معیار کافی بلند تھا۔ ایک مرتبہ رومی سینیٹ کے ممبر نے اپنی بیٹی کے سامنے اپنی بیوی کا بوسہ لیا تو اس کو قومی اخلاق کی سخت توہین سمجھا گیا اور سینیٹ میں اس کے خلاف تحریک جمع کرائی گئی۔ الغرض اس دور میں عورت اور مرد کے تعلق کی جائز اور شریفانہ صورت نکاح

کے سوا کوئی نہ تھی۔ رفتہ رفتہ رومی سلطنت میں نکاح و طلاق کے قوانین میں تغیّر رونما ہوتا رہا اور نکاح محض ایک قانونی معاہدہ بن کر رہ گیا اور طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا۔ مشہور رومی مدبّر ''سینکا'' رومیوں کی کثرتِ طلاق پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اب روم میں طلاق کوئی بڑی شرم کے قابل چیز نہیں رہی۔ عورتیں اپنی عمر کا حساب اپنے شوہروں کی تعداد سے لگاتی ہیں۔''

بعد ازاں بے حیائی اور بداخلاقی اس قدر عام ہوگئی کہ اس عہد میں معزز خاندان کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لیے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آئی ــــ ''فلورا'' نامی ایک کھیل رومیوں میں بہت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح اس دور میں عورتوں اور مردوں کے برسرِ عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی بہت عام تھا۔

ایرانی تہذیب

ایران کا شمار دنیا کے مشہور اور قدیم ملکوں میں ہوتا ہے۔ ان کی تہذیب ایشیا کے ہر ملک میں قابلِ تقلید اور ان کے اخلاق ایشیائی اقوام کے لیے قابلِ اقتدا سمجھے جاتے تھے' لیکن ظہورِ اسلام کے وقت ان کی حالت اس قدر خراب تھی کہ زرتشت کو خدائی صفات دینے کے ساتھ ساتھ ان کا خاندانی نظام بہت خراب ہو چکا تھا اور ان میں زنا کا رواج عام تھا۔ بقول مولانا اکبر شاہ:

''زنا کا رواج اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ مزدک نا ہنجار نے سرِ دربار کسرائے ایران کی بانوئے سلطنت کو بے عصمت کرنے کی فرمائش کی اور فرمانروائے ایران نے اس کی اس نامعقول و حیا سوز جرأت کی مخالفت ضروری نہ سمجھی۔''⑳

ایران میں تعدد ازدواج کا انوکھا قانون تھا۔ آمدنی کے حساب سے ہر شخص کو بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ پیر کرم شاہ ایران میں تعدد ازدواج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''خاندان کی بنیاد تعدد ازدواج پر تھی۔ ایک شخص کو متعدد بیویوں سے نکاح کرنے

کی اجازت تھی۔ ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق بیویوں کی تعداد مقرّر کر سکتا تھا۔ غریب آدمی کو ایک بیوی پر قناعت کرنی پڑتی تھی۔ خاوند گھر کا سربراہ ہوتا تھا۔ ساری بیویوں کو یکساں درجہ نہیں دیا جاتا تھا' بلکہ بعض کو بعض پر خصوصی امتیازات حاصل تھے۔ ایک بڑی بیوی ہوتی تھی جس کو ''زنِ پادشاہی ہا'' کہتے تھے وہ دوسری بیویوں سے افضل سمجھی جاتی تھی اور اس کو خاص حقوق حاصل تھے۔ اس کے علاوہ دوسری بیویوں کا درجہ بہت کم تھا ان کو ''زنِ چگاری ہا'' کہتے تھے یعنی خدمت گار بیوی۔ ان کے قانونی حقوق بڑی بیگم کے حقوق سے مختلف تھے۔ خاوند پر لازم تھا کہ اپنی بیاہتا بیوی کو عمر بھر نفقہ دے۔''[۴۱]

ایک طرف تعدّدِ ازدواج کا یہ قانون تھا تو دوسری طرف محرمات سے نکاح پر کوئی پابندی نہ تھی:

''ایران میں محرّمات وغیرہ کے ساتھ شادی کو مذہبی طور پر جائز سمجھا جاتا تھا اور اس قسم کی شادیاں ''خویذ وگدس'' کہلاتی تھیں۔ ایرانیوں کے ہاں اس قسم کی شادی کی رسم بہت دیرینہ ہے چنانچہ ہخامنشیوں کی تاریخ میں ہمیں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ان کی مذہبی کتابوں میں اس شادی کی بڑی عظمت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی مزاوجت (شادی) پر خدا کی رحمت کا سایہ پڑتا ہے اور شیطان اس سے دور رہتا ہے۔''[۴۲]

ایران میں ایک اور عجیب وغریب رسم تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی دوسرے شخص کو دے دیتا تاکہ وہ اس کو اپنے روزگار کے کام میں استعمال کرے۔ بقول پیر کرم شاہ:

''ایرانیوں کے ہاں ازدواجی زندگی کے بارے میں چند عجیب وغریب معمولات تھے جنہیں کوئی باغیرت اور باحمیت انسان سننے کے لیے بھی شاید تیار نہ ہو' لیکن وہ ان معمولات پر کوئی خجالت وشرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ پروفیسر آرتھر لکھتے ہیں: شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی یا بیویوں میں سے ایک کو خواہ وہ بیاہتا بیوی ہی کیوں نہ ہو' کسی دوسرے شخص کو جو انقلابِ روزگار سے محتاج ہو گیا ہو اس غرض کے لیے دے دے کہ وہ اس سے کسبِ معاش کے کام میں مدد لے۔ اس میں عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس عارضی ازدواج سے جو اولاد ہوتی

تھی وہ پہلے شوہر کی سمجھی جاتی تھی۔ یہ مفاہمت ایک قانونی اقرار نامے کے ذریعے ہوتی تھی......اس قسم کا معاہدہ انسانی ہمدردی کے ذیل میں شامل کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ ایک شخص نے اپنے ایک محتاج ہم مذہب کی مدد کی۔''[۴۳]

مصری تہذیب

مصر کی قدامت کا تصور اور مصری تمدن کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے اہرامِ مصر اور ابوالہول کے مجسمے اور موجودہ زمانہ میں تہہ خانوں سے برآمد ہونے والی اشیاء سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مصر پر ایرانیوں' یونانیوں اور رومیوں نے بار بار حملے کیے اور بہت دنوں تک قابض ومتصرّف رہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ان حملہ آوروں کی تہذیب و تمدن نے بھی مصر پر اپنا اثر ڈالا ہوگا۔ مصر میں بھی باقی معاشروں کی طرح زنا کی کثرت دیکھنے کو ملتی ہے۔ بقول مولانا اکبر شاہ:

''زناکاری اور غارتگری کے لیے ترغیب دہ اصول وقواعد بنا لیے گئے تھے۔ قتل انسان معمولی تفریح گاہوں کے لیے سامانِ تفریح سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کو خودکشی کی ترغیب دی جاتی تھی۔ غرض کہ مصر کی تاریکی بھی کسی ملک کی تاریکی سے کم نہ تھی اور تہذیب وشائستگی کے علامات مصریوں کے اعمال واخلاق سے بکلی معدوم تھے اور جہالت وتاریکی جس قدر چاہو' موجود تھی۔''[۴۴]

مصری بادشاہوں کے لیے محرمات سے نکاح کرنے پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ بادشاہ اپنی بہن یا بیٹی سے بھی بیاہ کر لیتا تھا۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''عہدِ قدیم میں مصری بادشاہ اپنی بہن سے شادی کر لیا کرتا اور بسا اوقات اپنی بیٹی کو اپنی بیوی بنا لیا کرتا تھا اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ شاہی خاندان کے خون کو بیرونی عناصر کے خون کی آلودگی سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہوں کی یہ عادت ان کے شاہی محلات تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی رعایا میں بھی اس قبیح فعل کو قبولِ عام حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی عیسوی میں ارسینوئی کے دو تہائی باشندے اس طریقہ کار پر عمل پیرا تھے۔''[۴۵]

علی عباس جلال پوری اس بات کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں:

''فراعین اور رؤساء عام طور سے اپنی بہنوں سے نکاح کرتے تھے تاکہ وہ ان کے ورثے میں حصہ دار بن سکیں جو انہیں اپنی ماؤں کی جانب سے ملتا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ یہ جائیداد اغیار کے قبضے میں چلی جائے۔ بعض فراعین اپنی بیٹی سے نکاح کر لیتے تھے۔''(۲۶)

مصر میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ لڑکیوں کو مٹی کے بتوں کی زوجیت میں دے دیتے۔ بت تو ان سے کچھ نہ کر سکتے مگر وہاں موجود پجاریوں کی چاندنی ہو جاتی اور وہ ان سے فائدہ اٹھاتے۔ بقول علی عباس جلال پوری:

''رؤساء کے طبقے سے منتخب حسین لڑکیاں دیوتاؤں کی زوجیت میں دی جاتی تھیں جو فی الحقیقت پروہتوں کے تصرّف میں آتی تھیں۔''(۲۷)

ہندوستانی تہذیب

یونانی، رومی اور ایرانی تہذیبوں کی طرح ہندوستانی تہذیب بھی شادی بیاہ کے معاملے میں افراط و تفریط کا شکار تھی۔ ایک طرف ذات پات کا نظام رائج تھا کہ صرف اپنی ذات کی لڑکی سے شادی کرنے کی پابندی تھی تو دوسری طرف عورت کو داسی یعنی بتوں کے عقد میں دے دیا جاتا تھا۔ عورت ہمیشہ مرد کے تابع بن کے ہی زندگی گزار سکتی تھی۔ ہندوؤں کے مشہور قانون دان منومہاراج لکھتے ہیں:

''عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں۔ خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔''(۲۸)

بیاہ کی مختلف اقسام رائج تھیں جن میں سے بعض صورتیں ایسی تھیں جن کو بیاہ کہنے کے بجائے ''زنا بالجبر'' کہنا زیادہ صحیح ہے۔ بیاہ کی یہ اقسام ہندوؤں کی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ انعام الرحمٰن سحری اپنی کتاب میں ہندوؤں کے بیاہ کی اقسام کی پیچیدگیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہندو مذہب میں شادیوں کی اتنی اقسام ہیں کہ غیر ہندو طالبعلم کے لیے ان کا

یاد رکھنا، ان میں تفریق کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ ان کی اولادوں کے مسائل تو شاید ان کے اپنے عالموں کی سمجھ میں بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ذرا ذہن میں لائیے کہ چار ذاتوں کے مردوں کی چار ذاتوں کی عورتوں سے شادی اگر ریاضی کے ضرب چلیپائی کے اصول کے مطابق ہی کی جائے تو ہر ایک سے ہونے والی اولاد کی درجہ بندی مختلف ہوگی۔ پھر بیوہ، گھر سے بھاگنے والی عورت، بغیر مہر کے لائی جانے والی عورت، بکنے والی عورت، لڑکے پیدا کرنے والی عورت، بے اولاد عورت، جڑواں پیدا کرنے والی عورت، گویا ہر قسم کی عورت الگ قسم کی شادی میں رہے گی۔''(۲۹)

عورت ہمیشہ اپنے شوہر کے تابع رہ کر زندگی گزارتی۔ شوہر اس پر جس طرح مرضی چاہے ظلم کرتا رہے مگر وہ اس کی پوجا اور خدمت گزار بن کر ہی رہ سکتی ہے۔ شوہر کے مر جانے کے بعد اس عورت کے پاس دو اختیار تھے، یا تو شوہر کے ساتھ زندہ جل جائے جسے ستی کی رسم کا نام دیا گیا ہے یا پھر وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی اختیار کر لے اور پھر اس کو زندگی بھر بیوہ بن کر زندہ رہنا ہے اور یہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ بقول منومہاراج:

''عورت کے لیے قربانی اور برت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے، کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔''(۳۰)

مولانا جلال الدین عمری ''ستی'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں ستی کا رواج خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہاں کی عورت کا کوئی مستقل وجود نہیں سمجھا جاتا تھا اور خاوند کی موت کے ساتھ اس سے بھی زندگی کا حق چھین لیا جاتا تھا۔''(۳۱)

اس کے علاوہ بھی ہندوؤں میں بہت سے غیر انسانی قانون رائج تھے مثلاً عورت کی مندر کے بُت سے شادی کر دینا، نیوگ کے ذریعے اولاد حاصل کرنے کا ناجائز طریقہ اور محرمات سے شادی کرنے کا قانون بھی ہندوؤں میں موجود تھا۔ ان سب کی تفصیل باب دوم میں موجود ہے۔

عربی تہذیب (دورِ جاہلیت، قبل از اسلام)

جزیرۃ العرب کے حالات بھی باقی تہذیبوں سے مختلف نہ تھے۔اس معاشرے میں بھی عورت کو جائیداد کی طرح مرد کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا۔زنا اور ناجائز تعلقات کی وجہ سے ان کا خاندانی نظام بالکل درہم برہم ہو چکا تھا۔زنا کوئی گناہ یا جرم نہیں تھا۔ الغرض ان کا معاشرتی اور ازدواجی تعلق پستی کی آخری حدوں تک پہنچ چکا تھا۔شاہ معین الدین عرب کی حالتِ زار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عرب کا گھر مے خانہ تھا۔بدقسمتی میں مال و دولت، ننگ و ناموس سب قربان کر دیتے تھے۔قمار بازی میں گھر کی کُل دولت حتیٰ کہ عورت تک بازی میں لگا دیتے تھے۔بڑے بڑے شرفاء اپنی عزیز عورتوں اور شریف خواتین کے عشق و محبت کی داستان فخریہ عام مجمع میں مزے لے کر سناتے تھے۔زنا کوئی عیب نہیں تھا۔عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔نکاح کی کوئی حد نہیں تھی، بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتیں چاہتے رکھ لیتے تھے۔''[۳۲]

ایک طرف تعدادِ ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں تھی ایک آدمی جتنی بیویاں چاہتا رکھ سکتا تھا۔دوسری طرف محرمات سے نکاح پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔بقول مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری:

> ''کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی اور لوگ ایسی دو عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہنیں ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا۔اور طلاق کا اختیار صرف مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد نہ تھی۔''[۳۳]

اسی طرح احادیث میں ایسے کئی اشخاص کا ذکر ملتا ہے جن کی اَن گنت بیویاں تھیں، مثلاً

① ''حارث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا اس وقت میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے چار چُن لو (اور باقی چھوڑ دو)۔''[۳۴]

② ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں اور وہ سب بھی ان کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لو (اور باقیوں کو چھوڑ دو)۔''[۳۵]

دورِ جاہلیت میں رائج نکاح کے مختلف طریقے

قبل از اسلام عرب میں نکاح کے مختلف طریقے رائج تھے۔جن میں سے بعض کو تو نکاح کہنا ہی درست نہیں کیونکہ وہ سراسر زنا سے مشابہ تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے عرب کے دورِ جاہلیت میں رائج نکاح کے ان طریقوں کا پتا چلتا ہے جو ان کی تہذیب کا حصہ تھے۔حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں چار طرح کا نکاح تھا:[۳۶]

① عام نکاح: ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیرِ ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیا جاتا۔پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا۔

② نکاح استبضاع: دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہو جاتی تو شوہر خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے مباشرت کر پھر کچھ عرصہ کے لیے وہ اس سے الگ رہتا اور اسکو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔یہاں تک کہ وہ دوسرے شخص سے حاملہ ہو جاتی۔پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو۔اور اس طریقہ کو ''نکاح استبضاع'' کہا جاتا ہے۔

③ تیسرا طریقہ نکاح: چند آدمیوں کی ایک ٹولی (روایت میں رھط کا لفظ بولا گیا ہے جو دس سے کم کے لیے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے

ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا)۔ پھر اگر وہ عورت حاملہ ہوجاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لیے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لیے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے ہاں یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی: اے فلانے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کرسکتا تھا۔

④ چوتھا طریقہ نکاح: ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی۔ یہ پیشہ ور رنڈیاں ہوتی تھیں۔ ان کے گھروں کے دروازوں پر بطور علامت ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا۔ تو جب ان میں سے کسی کو حمل ہو جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہوجاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے۔ پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے' اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اس سے چپک جاتا اور اسی کا بیٹا کہا جاتا۔ وہ اس سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔

پیر کرم شاہ نے ان طریقوں کے علاوہ اور بھی کئی طریقے لکھیں ہیں جو دورِ جاہلیت میں رائج تھے:(۳۷)

⑤ نکاحِ متعہ: اس کا بھی عام رواج تھا۔ اس میں گواہوں کے بغیر عورت اور مرد مقرّرہ وقت کے لیے معیّنہ مال کے عوض بیاہ کر لیتے تھے اور میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

⑥ نکاحِ بدل: ان کے ہاں ازدواج کا یہ حیا سوز طریقہ بھی تھا کہ دو مرد آپس میں یہ طے کر لیتے کہ تو اپنی عورت کو میرے پاس بھیج دے میں اپنی بیوی کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

⑦ نکاحِ شغار: ایک آدمی اپنی لڑکی کا بیاہ کسی مرد کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا کہ وہ

مرد اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دے گا اور دونوں اپنی بیویوں کو مہر ادا نہیں کریں گے۔

⑧ پوشیدہ نکاح: ایسی بدکاری جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو وہ بُری نہیں سمجھی جاتی تھی لیکن ایسی بدکاری جس کا عام چرچا ہو اور کُھلّم کُھلّا ہو اس کو عیب اور کمینگی سمجھا جاتا تھا۔

خلاصۂ بحث

اسلام سے قبل کی تہذیبوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ تمام تہذیبیں شادی بیاہ کے معاملے میں افراط وتفریط کا شکار تھیں۔ عورت کو تو کوئی حق حاصل ہی نہیں تھا' اسے یا تو زندہ درگور کر دیا جاتا یا پھر اس کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ جب عورت بیوی بنتی تو بھی وہ مساواتی حقوق کی حق دار تصور نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا کام صرف شوہر کی خدمت کرنا ہوتا تھا یا اس کی ہوس کو پورا کرنا۔ اس کے علاوہ اسے کسی قسم کی کوئی عزت حاصل نہ تھی۔

ان تہذیبوں میں شادی بیاہ کے ایسے نازیبا طریقے رائج تھے کہ ان کو نکاح کہنے کے بجائے زنا کہنا زیادہ درست ہے۔ اسلام سے قبل کی تہذیبیں اولاد کے نسب کے معاملے میں بھی افراط وتفریط کا شکار تھیں۔ ایک عورت کے بیک وقت کئی مردوں سے تعلقات ہوتے تھے جس کی بنا پر اولاد کا نسب مشکوک ہوجاتا تھا۔

ان تہذیبوں میں ایک عام برائی یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان میں زنا کا رواج عام تھا۔ زنا کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہ تھی' بلکہ لوگ اعلانیہ زنا کرتے تھے اور زنا کی سزا کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

الغرض اسلام سے قبل کی تہذیبیں اپنے پیروکاروں کو فطرتی قانون نہ دے سکیں جس کا ہر باعزت شخص تقاضا کرتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان تہذیبوں میں تقریباً ہر وہ برائی تھی جو ایک قوم کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

حواشی (باب اول)

(۱) تاریخ ہندوستان، ص ۲۰۳۔

(۲) پردہ، ص ۱۰۔

(۳) کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۱۔

(۴) القاموس لغۃ واصطلاحا، ص ۳۶۰۔

(۵) کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۱۔۲۔

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲۲، ص ۴۳۹۔

(۷) کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۳۔۴۔

(۸) مظاہرِ حق، ج ۳، ص ۲۴۶۔

(۹) شرح وقایہ، ج ۳، ص ۴۔

(۱۰) الدر المختار، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۵۔

(۱۱) اسلام کے عائلی قوانین، ص ۳۲۔

(۱۲) مجموعہ قوانین اسلام، ج ۱، ص ۳۲۔

(۱۳) Encyclopedia of Religian and Ethics, Vol 8, P423.

(۱۴) پردہ، ص ۱۰۔

(۱۵) اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۹۴۔

(۱۶) ازدواجی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز، ص ۷۔

(۱۷) عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۲۱۔

(۱۸) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ہشتم، ص ۴۴۴۔

(۱۹) عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۲۱۔

(۲۰) تاریخ اسلام، جلد اول ودوم، ص ۶۸۔

(۲۱) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۷۹۔۸۰۔

(۲۲) ایضاً، ص ۸۱۔

(۲۳) ایران بعہدِ ساسانیاں، ص ۴۳۶۔۴۳۷۔ بحوالہ: ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۸۲۔

(۲۴) تاریخ اسلام، جلد اول ودوم، ص ۷۰۔

(۲۵) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۱۶۱۔

(۲۶) روایاتِ تمدّنِ قدیم، ص ۵۶۔

(۲۷) ایضاً، ص ۵۶۔

(۲۸) منوسمرتی، باب ۵: ۴۵۔

(۲۹) شادی ایک مطالعہ، ص ۲۶۳۔

(۳۰) منوسمرتی، باب ۵: ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

(۳۱) عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۳۰۔

(۳۲) تاریخ اسلام، جلد اول ودوم، ص ۳۲۔

(۳۳) الرحیق المختوم، ص ۶۸۔

(۳۴) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع او اختان۔

(۳۵) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ۔

(۳۶) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی۔

(۳۷) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۳۶۰۔

باب دوم

ہندومت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

ہندومت میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

ہندومت ایک غیر الہامی مذہب ہے جو درحقیقت مختلف رسوم ورواج اور ایک خاص طرزِ زندگی کا نام ہے۔اس میں شادی بیاہ کے بارے میں اگرچہ مفصل ہدایات ملتی ہیں، مگر عورت کی عفت وعصمت اوراس کے کسی ایک مرد کے ساتھ وابستہ رہنے کا تصور اتنا صاف اور واضح نہیں ہے کہ عورت میں شراکت کا امکان ختم ہوجائے اور شادی کے بغیر اس سے جنسی تعلق کی قطعاً گنجائش باقی نہ رہے۔عورت کے ساتھ سخت برتاؤ کرنے کے سلسلے میں جس قدر ہدایات ہندوؤں کی مذہبی کتب میں موجود ہیں اتنی دنیا کے کسی اور مکتبہ فکر کی مذہبی کتب میں نہیں ہیں۔

ہندو معاشرہ میں عورت کی حیثیت بہت پست رہی ہے اور بیوی سے نہ تو نیک سلوک کیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے وہ عزت دی جاتی ہے جو ایک بیوی کا حق ہے۔ہندو مذہب میں عورت کو محکومیت کی زنجیروں میں بند رکھا گیا ہے اوراسے اپنے زندگی کے کسی موڑ میں آزادی کا حق نہیں دیا گیا۔منومہاراج لکھتے ہیں:

’’عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے، اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں، اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں۔خودمختار ہوکر کبھی نہ رہے۔‘‘①

ہندومت میں ازدواجی زندگی سے متعلق بہت سے ایسے قوانین ہیں جو غیر فطرتی ہیں، مثلاً اپنی ذات میں اور خاندان سے باہر شادی کرنا، ایک عورت کے کئی کئی شوہر، اور مرد کو بغیر کسی حد کے تعددِ ازدواج کی اجازت، اور سب سے بڑھ کر ستی کی رسم وغیرہ—— ان

کے علاوہ ہندومت میں شادی بیاہ کے اتنے طریقے رائج ہیں کہ ایک عام شخص ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا اور ان میں سے بعض ایسے طریقے ہیں جو شادی کے زمرے میں آتے ہی نہیں، بلکہ وہ تو زنا کی لسٹ میں شمار ہوتے ہیں۔ہندوستان میں ازدواجی زندگی کے بارے میں ایک اخباری رپورٹ ملاحظہ کریں:

’’ہندوعورت کی ازدواجی زندگی بہت دردناک و رسوا کن ہے۔۱۹۸۷ء میں بھارت میں عورتوں پر مجرمانہ حملوں اور قتل وغارت کے سب سے زیادہ واقعات ہوئے ہیں۔بتایا جاتا ہے کہ ہر سال دارالحکومت دہلی میں 500 لڑکیوں کو کم جہیز لانے پر زندہ جلا دیا جاتا ہے، لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان وارداتوں کے مرتکب افراد سزا سے بچ جاتے ہیں۔‘‘②

معیارِ رشتہ

شادی میں سب سے پہلے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے اور رشتہ جوڑتے وقت لڑکے اور لڑکی کی عادات اور رہن سہن کا معائنہ کیا جاتا ہے کہ آیا یہ دونوں شادی کر کے خوش بھی رہ سکیں گے یا نہیں۔دیانند سرسوتی نے معیارِ رشتہ کے موضوع کو تفصیل سے بیان کیا ہے اوراس سلسلے میں کچھ شرائط کو بیان کیا ہے جن کو ہم ترتیب سے بیان کرتے ہیں:

① اپنی ذات میں شادی کرنے کی قید

ہندو معاشرہ میں ذات پات کا نظام بہت اہمیت کا حامل ہے اور شادی بیاہ میں ذات پات کے اس نظام کو بہت ترجیح اور اہمیت دی جاتی ہے۔ایک ذات کا مرد کسی دوسری ذات کی عورت سے شادی نہیں کرسکتا۔ذات پات کے اس نظام میں سب سے زیادہ آزادی برہمن کو دی گئی ہے کہ وہ جس ذات کی لڑکی سے چاہے بیاہ کرسکتا ہے۔اس نظام میں سب سے زیادہ پسنے والا طبقہ شودر ہے جو عام معاشرتی قوانین کی طرح شادی بیاہ کے قانون میں بھی زیادتی کا شکار ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کی لڑکی سے ہی شادی کرسکتا ہے۔کھشتری کو اپنی ذات کے علاوہ ویش اور شودر کی لڑکی سے بیاہ کرنے کی اجازت ہے، جبکہ ویش یا تو ہم ذات لڑکی سے بیاہ کرسکتا ہے یا پھر شودر کی لڑکی سے۔منو

مہاراج اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

’’شودر صرف اپنی ذات کی لڑکی سے‘ اور ویش اپنی ذات اور شودر کی لڑکی سے‘ اور کھشتری اپنی ذات اور ویشیہ اور شودر کی لڑکی سے‘ اور براہمن چاروں ورنوں کی لڑکی سے وواہ کر سکتا ہے۔ کسی اتہاس میں یہ نہیں پایا جاتا کہ مصیبت کے وقت بھی براہمن یا کھشتری نے کسی شودر کی لڑکی سے شادی کی ہو۔‘‘③

منو مہاراج لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کو چھوڑ کر کسی دوسری ذات کی لڑکی سے بیاہ کرتا ہے تو ہندو دھرم کے مطابق ایسا شخص تکلیف اٹھائے گا:

’’برہمن‘ کھشتری‘ ویشیہ تینوں ورن اگر محبت کی وجہ سے نیچ ذات کی لڑکی سے ساتر وواہ کرے تو اولاد اور اپنے کُل کو جلد پاش کر دیتے ہیں۔‘‘④

② خاندان سے باہر دور جگہ شادی کرنا

رشتہ جوڑتے وقت اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ لڑکی اور لڑکے کا خاندان ایک نہ ہو یعنی لڑکی‘ لڑکے کی ماں کے خاندان سے بھی نہ ہو اور نہ ہی باپ کے خاندان سے ہو۔ اگر لڑکی اسی خاندان کی ہے تو پھر ان کا بیاہ جائز نہیں ہے۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

’’جو لڑکی ماں کے خاندان کی چھ پشتوں میں اور باپ کے گوتر (نسب) کی نہ ہو اس سے شادی کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر موجود چیز سے جو محبت ہوتی ہے وہ پاس والی چیز سے نہیں ہوتی۔ جیسے کسی نے مصری کی تعریف سنی ہو مگر کھائی نہ ہو تو اس کا دل اسی کو چاہتا رہتا ہے (پس) جس وجہ سے کسی غائب چیز کی تعریف سن کر اسکو حاصل کرنے کی خواہش تیز ہوتی ہے اسی وجہ سے دور جگہ یعنی جو اپنے نسب اور ماں کے خاندان پدری میں نزدیک کے رشتہ کی نہ ہو‘ اسی لڑکی سے لڑکے کا بیاہ ہونا چاہیے۔‘‘⑤

دیانند سرسوتی نے خاندان سے باہر دور جگہ شادی کرنے کے بہت سے فوائد اپنی کتاب میں گنوائے ہیں:

’’اوّل: جو بچے بچپن سے نزدیک رہتے ہیں‘ باہم کھیل لڑائی اور محبت کرتے‘ ایک دوسری کی خوبی‘ نقص‘ عادت یا بچپن کی بدچلنی کو جانتے ہیں اور ننگے بھی ایک

دوسرے کو دیکھتے ہیں‘ ان کی باہم شادی ہونے سے محبت کبھی نہیں ہو سکتی۔

دویم: جیسے پانی میں پانی ملنے سے نرالی صفت (پیدا) نہیں ہوتی ویسے ہی ایک گوتر باپ یا ماں کے خاندان میں شادی ہونے سے دھاتوں کا ادل بدل نہ ہونے سے ترقی نہیں ہوتی۔

سویم: جیسے دودھ میں مصری یا سونٹھ وغیرہ دوائیوں کے ملاپ سے عمدگی ہوتی ہے ویسے ہی مختلف گوتر والے یعنی جن کے ماں باپ مختلف خاندان سے ہوں‘ ایسے مرد و عورت کا بیاہ افضل ہے۔

چہارم: جیسے اگر کوئی ایک ملک میں مریض ہو وہ دوسرے ملک میں ہوا اور کھانے پینے کی تبدیلی سے تندرست ہوتا ہے ویسے ہی دور ملکوں کے رہنے والوں کے بیاہ ہونے میں بھی عمدگی ہے۔

پنجم: نزدیک ہونے سے ایک دوسرے کو اپنے اپنے باپ کے خاندان کی مدد کا گھمنڈ ہوگا اور جب کچھ بھی دونوں میں ناراضگی ہوگی تب عورت فوراً ہی باپ کے خاندان میں چلی جائے گی۔ ایک دوسرے کی مذمت زیادہ ہوگی اور رنجش بھی‘ کیونکہ اکثر عورتوں کا مزاج تیز اور نرم (جلد اثر پذیر) ہوتا ہے۔

ایسے ہی باعثوں سے باپ کے ایک گوتر‘ ماں کی چھ پشتوں میں اور نزدیک جگہ بیاہ کرنا اچھا نہیں۔‘‘⑥

③ چند خاندانوں میں شادی کرنے کی ممانعت

ہندومت میں ایک طرف تو یہ قانون ہے کہ اپنے خاندان میں شادی نہیں کی جا سکتی تو دوسری طرف کچھ خاندان ایسے ہیں جن سے رشتہ جوڑنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں دس قسم کے خاندانوں کا ذکر کیا ہے جن سے رشتہ ازدواج قائم کرنا ممنوع ہے:

’’چاہے کتنی ہی دولت‘ اجناس‘ گائے‘ بکری‘ ہاتھی‘ گھوڑے‘ حکومت‘ زر وغیرہ سے مالا مال یہ خاندان ہوں تو بھی شادی کرنے میں مندرجہ ذیل دس خاندانوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ جو خاندان نیک عمل سے گرا ہوا ہو۔ نیک آدمی جس میں نہ ہوں۔ وید کی تعلیم کے برخلاف۔ جسم پر بڑے بڑے بال یا جن میں بواسیر‘

تپدق، دمہ، کھانسی، امراضِ معدہ، مرگی، جزام یعنی سفید یا گلت کوڑھ ہوں، ان خاندانوں کی لڑکی یا لڑکے کے ساتھ بیاہ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب عیب اور مرض بیاہ کرنے والے کے خاندان میں بھی آجاتے ہیں اس لیے اچھے اور تندرست خاندان کے لڑکے اور لڑکیوں کا آپس میں بیاہ ہونا چاہیے۔''⑦

④ مخالف وصف رکھنے والوں کی شادی قطعاً جائز نہیں

ہندومت میں رشتہ قائم کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ لڑکا اور لڑکی کی عادتیں ملتی جلتی ہوں ورنہ بیاہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے ان میں پیار محبت کا فقدان ہوگا۔ سنسکار ودھی میں مخالف وصف رکھنے والوں کو بیاہ کرنے سے منع کیا گیا ہے:

''شادی ایک کبھی نہ ٹوٹنے والے تعلق کا نام ہے۔ اس لیے جن کی آپس میں شادی ہوتی ہے اگر ان میں مکمل یکسانیت اور مطابقت نہ ہوگی تو وہ ساری عمر بدمزگی کی زندگی گزاریں گے۔ وہی گھر جسے ان کے ملاپ سے سورگ (جنت) بن جانا چاہیے تھا، ان کے لیے دوزخ سے زیادہ تلخ اور خوفناک ہو جائے گا۔ اس سے نہ صرف شخصی طور پر انہیں بھی تکلیف پہنچے گی بلکہ ساری سوسائٹی پر اس کا برا اثر پڑے گا اور یہ ناقابل تلافی قومی نقصان ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تک پتی پتنی میں مکمل یکسانیت اور ایک دوسرے سے گہرا پریم نہ ہو، گربھادہان (ہم بستری) کرتے وقت ان کا ویریہ ٹھیک طور پر نہیں رہتا اس لیے اس سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ نکمے، کمزور، دائم المرض اور چڑچڑے ہوتے ہیں۔''⑧

⑤ شادی کے لیے موزوں اور غیر موزوں لڑکی

اب تک جو شرائط بیان کی گئیں ان کا تعلق لڑکا اور لڑکی دونوں سے تھا اب یہاں لڑکی سے متعلق شرائط کو بیان کیا جاتا ہے۔ ہندو مذہب کے شادی بیاہ کے قوانین میں لڑکی کی ظاہری شکل وصورت اور جسمانی خوبصورتی کو معیار بنایا گیا ہے اور ان کی مذہبی کُتب میں ایسی لڑکیوں کا تذکرہ ملتا ہے جن سے بیاہ کرنا اور ازدواجی تعلق قائم کرنا مناسب نہیں ہے۔ منومہاراج اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اس کی شادی ایسی دوشیزہ سے نہ ہونے پائے جس کے بال سرخ ہوں، نہ اس

سے جس کا کوئی عضو زائد ہو، نہ اس سے جو طبعاً علیل ہو، نہ اس سے جس کے (جسم پر بالکل) بال نہ ہوں یا بہت زیادہ ہوں، اور نہ اس سے جو سرخ چشم یا باتونی ہو۔''⑨

اسی طرح برے یا ڈراؤنے نام والی لڑکیوں سے بھی شادی کا رشتہ جوڑنا یا کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا جس کے باپ کا پتا نہ ہو یا اس کا کوئی بھائی نہ ہو، ہندو دھرم میں مناسب نہیں ہے — اس کے علاوہ موزوں لڑکی کے اوصاف کا تذکرہ بھی ہندومت کی مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جس کے صاف سیدھے اعضاء ہوں یعنی پسندیدہ ہوں، اور جس کا نام عمدہ جیسے یشودا، شاکھدا وغیرہ ہو، ہنس اور ہتھنی جیسی جس کی چال ہو، جس کا رونگٹا چھوٹا اور ملائم ہو، سر کے بال اور دانت باریک ہوں، اور جس کے جسم کے سب اعضاء ملائم ہوں، ایسی عورت سے بیاہ کرنا چاہیے۔''⑩

منگنی اور اس کی رسومات

عام طور پر شادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک منگنی یعنی رشتہ پکا کرنے کی رسم اور اس کے بعد مرحلہ آتا ہے بیاہ اور رخصتی کا۔ ہندومت میں بھی شادی کو ان ہی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہندوازم میں منگنی کے لیے ''سگائی'' کا لفظ بولا جاتا ہے اور منگنی کو بہت دھوم دھام سے منانے کا رواج بھی ہندو معاشرہ میں پایا جاتا ہے۔ جان ڈی مین لکھتے ہیں کہ ہندومت میں منگنی اور شادی کو الگ الگ تصور کیا جاتا ہے لہٰذا ان کو ایک نہیں سمجھنا چاہیے:

''شادی کو منگنی سے مخلوط کر کے پیچیدگی نہ پیدا کی جانی چاہیے۔ ایک تو مکمل معاملہ ہوتا ہے اور دوسرا صرف ایک معاہدہ...... غالباً ذیل کی دو چیزوں میں امتیاز کرنا ہی اصل دشواری ہے یعنی منگنی، جو شادی کرنے کا صرف ایک وعدہ ہے اور وفاداری کا عہد ہے، جو خود شادی کا ایک جزو ہے۔ بعض مرتبہ ان دونوں کو ایک ہی نام دیا جاتا ہے۔''⑪

ای ڈی میکلیگن اپنی کتاب ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' میں منگنی کے بارے میں ہندوؤں کا نظریہ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندوؤں کے ہاں منگنی ایک معاہدہ ہے اور اصولی طور پر لڑکی کو بیاہنے کے لیے ایک ناگزیر ابتدائی رسم بھی۔ تاہم ایک مرتبہ بیاہی گئی لڑکی کی دوبارہ منگنی پہلی منگنی والی رسومات کے مطابق نہیں کی جاسکتی۔"○

منگنی کے رسم و رواج

منگنی کے مذہبی رواج بہت سادہ اور کم ہیں، مگر معاشرتی طور پر بہت سے رسم و رواج کو منگنی کا لازمی جزو بنالیا گیا ہے۔ مذہبی طور پر منگنی میں صرف یہ رسمیں شامل ہیں:

"المختصر جائز یا درست منگنی کے لوازمات یہ ہیں: لوگوں کے سامنے رشتے کا اعلان اور قبولیت، کھانا کھلانا اور تحائف کا تبادلہ۔ مذہبی رسوم کی ادائیگی کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔"(۱۲)

معاشرتی لحاظ سے ہندوؤں نے اس سادہ سی منگنی میں بہت سی رسمیں شامل کر لی ہیں جن کے بغیر وہ منگنی کو مکمل تصور نہیں کرتے۔ ان رسومات کو "پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا" کے حوالے سے ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے:

جنم کنڈلی: سب سے پہلے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے۔ رشتہ مل جانے کے بعد لڑکا اور لڑکی کی جنم کنڈلی ملائی جاتی ہے۔ ستاروں، ہاتھوں کی لکیروں اور علمِ نجوم کے ذریعے یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا ان دونوں کی عادات ملتی ہیں یا نہیں۔ اگر دونوں کی عادات میں کوئی خاص فرق نہ ہو تو پھر منگنی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ "پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا" کے مصنف جنم کنڈلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہاتھ کی لکیروں کے علم کے لحاظ سے بھی بے شمار باتیں مدِّنظر رکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ جس لڑکے کے ہاتھ میں بہت زیادہ یا بہت کم لکیریں ہوں وہ غریب اور قلیل الحیات ہوگا۔ جنم کنڈلیاں موجود ہونا بھی ضروری ہیں اور لڑکا یا لڑکی میں سے کسی کی بھی پیدائش "منگل راس" یا مریخ کے جھرمٹ میں نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایسا ہونے کی صورت میں اس کی بیوی/شوہر قبل از وقت مر جائے گی/گا۔"(۱۳)

شبھ گھڑی/مہورت نکالنا: جنم کنڈلی کے بعد اب باری آتی ہے منگنی کے وقت کی۔ اس

کے لیے مہورت نکالا جاتا ہے اور دن، تاریخ اور وقت مقرر کیا جاتا ہے جس میں اس رسم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس قسم کا وقت عام طور پر عشاء یعنی شام کا وقت مقرر کیا جاتا ہے جسے "شام کی سندیا" کا نام دیا جاتا ہے۔

"ان تمام نکات پر غور کر لینے اور رشتے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد تقریب کے لیے کوئی مبارک دن مقرر کیا جاتا ہے جو پوہ، کاتک یا چیت کے مہینے میں نہیں ہونا چاہیے جب مریخ اور مشتری ڈوب رہے ہوتے ہیں۔ "شرادھ" کے دوران یا "انانترا" بھی مناسب نہیں جب زہرہ اور مشتری ایک ہی راس ہوتے ہیں۔"(۱۴)

منگنی کے دن کی تفصیل

ای ڈی میکلیگن نے اپنی کتاب "پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا" میں ہندوانہ منگنی کے دن کی رسومات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"رسم کے لیے مخصوص کردہ دن لڑکے والوں کا ٹولہ لڑکی کے گھر جاتا اور دونوں ٹولے وہاں بیٹھ جاتے۔ برہمن "منگل چرن" یا رحمت کی دعائیں پڑھتے اور شری گنیش جی کی مورتی پیتل کی تھالی میں رکھ کر پوجا کی جاتی۔ گنیش جی اور لڑکے والوں پر چاول پھینکے جاتے اور کبھی کبھی سرخ رنگ کا پانی بھی چھڑکا جاتا تھا۔"

ای ڈی میکلیگن نے اس کے علاوہ چند اور رسموں کا بھی ذکر کیا ہے جو منگنی کے دن کی جاتی ہیں:

① **واک دان کی رسم:** "لڑکی کا سرپرست اعلان کرتا تھا کہ لڑکی، فلاں فلاں کی بیٹی کا رشتہ فلاں فلاں کے بیٹے سے کیا جاتا ہے اسے "واک دان" (یعنی منہ سے بولے ہوئے لفظ کے ذریعہ دان) کہتے ہیں اور یہ منگنی کا جوہر ہے۔ اس کے بعد یہ ناقابلِ تنسیخ ہو جاتی ہے اور اسے توڑنے کے خلاف سخت ممانعت عائد ہے۔"

② **ناواں کی رسم:** "تب لڑکی کا بھائی یا برہمن ایک جنیئو (مقدس دھاگا) پھل، پھول اور کچھ قسم کے کپڑے لڑکے کو دیتے ہیں۔ لڑکی کا (بھائی یا) برہمن لڑکے اور اس کے رشتہ داروں کو تلک لگاتا ہے۔ لڑکے کے والدین اور رشتہ دار برہمنوں کو تحائف دیتے اور ان

میں رقم بانٹتے ہیں جسے ''ناواں'' (نام کرنا) کی رسم کہا جاتا ہے۔''

③ **گراہن دینے کی رسم:** ''اس کے بعد لڑکے کو اپنے باپ کے گھر بھیجا جاتا ہے جہاں اسے روٹی، مکھن، کھانڈ اور کھچڑی کا ایک نوالہ دیا جاتا ہے۔اس رسم کو ''گراہن دینا'' (یعنی لقمے کا تحفہ) کہتے ہیں۔خواتین بھی برادری میں کھچڑی تقسیم کرتی ہیں جو جواب میں تحائف بھجواتے ہیں۔''

منگنی کی اقسام

ہندوؤں میں منگنی کی تین اقسام کا ذکر ملتا ہے ① دھرم یا پُن: جس میں لڑکی کے والدین ایک نیم مذہبی نذرانے کے طور پر اسے مستقبل کے شوہر کو دیتے ہیں۔ ② وٹّہ سٹّہ یا تبادلہ: جس میں دو یا زائد خاندان آپس میں بیٹیوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ ③ ٹکّے یا ٹکّیاں دی پچار: منگنی کی یہ قسم جنوب مغربی پنجاب کے علاقوں میں رائج ہے جس کے تحت دلہن کی قیمت کم وبیش اعلانیہ ادا کی جاتی ہے۔

منگنی کی عمر

اگرچہ ہندو مذہب میں منگنی کی کوئی عمر مقرر نہیں کی گئی مگر پھر بھی ہندو معاشرہ نے منگنی کی ایک عمر مقرر کر دی ہے۔ذیل میں ہم مختلف علاقوں میں رائج منگنی کی عمر کو بیان کرتے ہیں:

''منگنی کی جا سکنے کی عمر مقرر نہیں اور یہ مختلف قبائل اور مختلف علاقوں میں مختلف ہے لہٰذا اس حوالے سے کوئی عمومی اصول بیان کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ کیتھل میں راجپوتوں کا کہنا ہے کہ دس سال کی عمر سے پہلے منگنی نہیں ہو سکتی اور دیگر (اور پست) قبائل کی نسبت راجپوتوں میں لڑکی کی شادی کافی بڑی عمر میں کی جاتی ہے حتیٰ کہ کسی راجپوت لڑکی کی منگنی پندرہ یا بیس سال کی عمر میں ہونا عام بات ہے۔انبالہ میں رُوپڑ کے گوجر منگنی کی کم سے کم عمر پانچ ہفتے بتاتے ہیں۔ بہت سے قبائل کے مطابق زیادہ سے زیادہ عمر چالیس سال ہے، لیکن عموماً یہ پانچ سال سے کم نہیں ہوتی۔اسی طرح گورداسپور، سیالکوٹ، شاہپور، جہلم، ڈیرہ غازی خان

اور مظفر گڑھ میں عمر کی کوئی بندش نہیں لیکن اصل رسوم میں حالات کی مناسبت سے بہت تنوّع پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ ذاتوں میں متوسّط درجے کی ذاتوں کی نسبت کچھ زیادہ عمر میں منگنی کرنے کا رواج ہے، مثلاً لاہور میں جٹ چار تا چھ سال، راجپوت بارہ تا چودہ سال، شاہ پور کے ہندو آٹھ تا بارہ سال جبکہ جہلم میں دس سال کی عمر سے پہلے منگنی کی جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی مغربی پنجاب میں بیٹیوں کی منگنی کافی چھوٹی عمر میں کر دیتے ہیں (مسلمانوں کے عمومی رواج کی نسبت کہیں پہلے) لیکن عموماً لڑکوں میں منگنی عنفوانِ شباب سے قبل نہیں کی جاتی۔ ہندوؤں میں یہ احساس بہت شدت سے پایا جاتا ہے کہ جوان بیٹی کا غیر شادی شدہ ہونا والدین کے لیے سخت بے عزتی کی بات ہے۔پنجاب بھر میں قبل از پیدائش منگنی خلافِ معمول تو ہے لیکن غیر معلوم نہیں۔''(۱۵)

منگنی کی پاسداری

ایک دفعہ منگنی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد اس رسم سے انحراف کرنا اور اس کی پاسداری نہ کرنا جائز نہیں ہے۔منو مہاراج اس بارے میں لکھتے ہیں:

''زمانہ قدیم اور دورِ حاضر کے نیک لوگوں میں سے کسی نے (یہ) کام نہیں کیا کہ ایک شخص کو (بیٹی دینے کا) وعدہ کرنے کے بعد دوسرے کو دے دی ہو۔''(۱۶)

تنسیخِ منگنی کے چند اسباب

ہندومت میں عمومی قاعدہ تو یہی ہے کہ ایک دفعہ منگنی ہو جائے تو پھر اس کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے، مگر پھر بھی بعض ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے منگنی منسوخ کی جا سکتی ہے، مثلاً

''کسی منگنی کو توڑنے کی معقول وجوہ مرکزی طور پر جسمانی نوعیت کی ہیں (مثلاً کوڑھ، نامردی، اندھا پن یا کسی بھی فریق کا ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو جانا)۔عموماً لڑکی کی بداخلاقی بھی ایک ٹھوس وجہ ہے۔اصولی طور پر لڑکے کی بداخلاقی کو رشتہ توڑنے کی جائز وجہ نہیں سمجھا جاتا۔عمومی لحاظ سے بات کی جائے تو لڑکے سے زیادہ لڑکی کے رشتہ داروں کو معاہدہ منگنی کا پابند خیال کیا جاتا ہے

یہاں تک کہ لاہور کے جٹوں کے ہاں یہ اصول اپنی انتہا پر ہے اور کہتے ہیں کہ لڑکا جب چاہے منگنی توڑ سکتا ہے، لیکن لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں۔ منگنی منسوخ ہونے کی دیگر وجوہ بھی بیان کی جاتی ہیں مثلاً یہ انکشاف ہونا کہ لڑکا یا لڑکی ممنوعہ رشتہ داری کی حدود میں آتے ہیں یا یہ کہ ان کا تعلق مختلف قبیلوں سے ہے اور تبدیلی مذہب بھی اسے منسوخ کرنے کی جائز وجہ ہے۔''(۱۷)

منگنی منسوخ کرنے کی رسومات

جب ان اسباب میں سے کوئی پایا جائے تو منگنی کو منسوخ کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے بھی چند رسمیں مخصوص کی گئی ہیں:

① **پانی پلاون**: جب لڑکے یا لڑکی کو قریب المرگ سمجھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل رسم کے ذریعہ جوڑے کا بندھن توڑا جاتا ہے۔ مظفر گڑھ میں اس رسم کو ''پانی پلاون'' کہتے ہیں۔ لڑکے کو لڑکی کے بستر مرگ کے پاس بلا کر سرہانے والی طرف کھڑا کیا اور پانی پلایا جاتا ہے۔ لڑکی بھی پانی پیتی ہے اور تب لڑکا کہتا ہے ''تم میری بہن ہو'' یقیناً اس سے منگنی ٹوٹ جاتی ہے، لیکن مریضہ کی صحت بحال ہو جانے پر بندھن دوبارہ قائم ہو جاتا ہے۔

② **متھے لگاون**: منگنی منسوخ کرنے کے لیے بہاولپور کی ملحقہ ریاست میں ایک بالکل ایسی ہی رسم ''متھے لگاون'' رائج ہے۔ چنانچہ اگر لڑکی موت کے دہانے پر ہو تو لڑکا اس کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسے کچھ مٹھائی دیتا اور کہتا ہے ''ہاں کا کی مٹھائی کھن''۔ اور جواب میں لڑکی کے لیے یہ کہنا ضروری ہے ''لیا بھراوا''۔ اس طرح منگنی ٹوٹ جاتی ہے لیکن اگر بیمار لڑکی صحت یاب ہو جائے اور جوڑے کے والدین رشتہ بحال کرنے پر مان جائیں تو منگنی کی رسوم دوبارہ سے انجام دی جاتی ہیں۔(۱۸)

شادی کی عمر

لڑکا اور لڑکی کی عمر کی بنا پر شادی کے تین درجے بنائے گئے ہیں۔ ایک ادنیٰ درجہ، ایک درمیانہ درجہ اور ایک اعلیٰ درجہ۔ اگر لڑکی کی عمر لڑکے کی عمر کا تیسرا حصہ ہو تو ہندومت میں وہ شادی سب سے اعلیٰ تصور کی جاتی ہے۔ دیانند سرسوتی فریقین کی عمر

کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سولھویں برس سے لے کر چوبیسویں برس تک لڑکی اور پچیسویں برس سے لے کر اڑتالیسویں برس تک مرد کی شادی کا وقت اچھا ہے۔ ان میں سے جو سولہ برس اور پچیس برس میں بیاہ کرے تو ادنیٰ درجہ کا، اگر اٹھارہ بیس برس کی عورت اور تیس، پنتیس یا چالیس برس کا مرد ہو تو درمیانہ درجہ کا اور اگر چوبیس برس کی عورت اور اڑتالیس برس کے مرد کا بیاہ ہو تو اعلیٰ درجہ کا ہے۔''(۱۹)

منو مہاراج نے بھی لڑکا لڑکی کی شادی کی مناسب عمر کا تذکرہ کیا ہے:

''تیس برس کی عمر کا لڑکا اور بارہ برس کی دختر لخت جگر کا وواہ کرے یا چوبیس برس کا لڑکا اور آٹھ برس کی لڑکی کا وواہ کرے، یہ مناسب ہے۔''(۲۰)

اے ایل باشم فریقین کی عمر کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہیں:

''اگرچہ قدیم زمانے میں شادی سے پہلے لڑکی کا پوری طور پر بالغ ہو جانا ضروری تھا، لیکن سمرتیوں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شوہر کی عمر کم سے کم بیس سال ہونی چاہیے اور لڑکی کی شادی بلوغ سے کچھ قبل کر دینی چاہیے۔ ہندو کٹر پن اس قدر اولاد پرست ہو چکا تھا کہ اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی باپ اپنی لڑکی کی شادی اس کے پہلے حیض سے پہلے نہیں کرتا تو وہ اسقاط حمل کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے (یہ بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا اور قتل کے بہت سے اقسام سے بھی بدتر تصور کیا جاتا تھا) اور جب تک وہ اپنی لڑکی کی شادی نہ کر دیتا اس وقت تک وہ اتنے ہی اسقاطِ حمل کے جرم کا مرتکب سمجھا جاتا تھا جتنے اس لڑکی کے حیض ہوتے۔ عام طور پر وہ شادی بہت اچھی سمجھی جاتی تھی جس میں لڑکی کی عمر لڑکے کی عمر کا تہائی ہوتی تھی۔ اس طرح چوبیس سال کے لڑکے کو آٹھ سال کی لڑکی سے شادی کرنی چاہیے۔''(۲۱)

کم سنی کی شادی

ہندو معاشرہ میں لڑکی کے بالغ ہونے سے قبل اس کی شادی کر دینے کا رواج موجود ہے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی کم سنی ہی میں کر دیتے تھے، مگر کم سنی کی شادی کے حوالے سے ان کی مذہبی کتابوں میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ اے ایل باشم نے

کم سنی کی شادی پر تبصرہ کیا ہے جو درج ذیل ہے:

''جہاں تک بچپن کی شادی کا تعلق ہے جو بعد کے آنے والے دور میں فارغ البال خاندانوں میں عام ہوگئی تھی اس کا مذہبی کتب میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ بات بہت مشکوک ہے کہ عہد وسطیٰ تک لڑکیوں کی بچپن کی شادی بالکل عام ہو چکی تھی۔ افسانہ و شعر کی جو ہیروئنیں ہیں وہ بظاہر اپنی شادی کے وقت پوری جوان ہوتی تھیں اور متعدد ایسے کتبات جو اپنے دور کے رسوم و رواج پر روشنی ڈالتے تھے، بچپن کی شادی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے۔ قدیم ہندوستان کے ماہرینِ طب یہ بتاتے ہیں کہ سولہ سال سے زائد کی مائیں بہترین بچے پیدا کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن کی شادی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کو ناپسند کرتے ہیں۔''(۴۲)

جان ڈی مین اپنی کتاب ''قانون و رواجِ ہنود'' میں کم سنی کی شادی کو تفصیل سے زیر بحث لاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کن کن علاقوں اور کن کن ذاتوں میں کم سنی کی شادی کا رواج تھا اور آج کل یہ رسم کہاں پائی جاتی ہے:

''تمام قدیم مصنّفین بہ اصرار اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ بالغ ہونے سے قبل لڑکی کی شادی کر دینا چاہیے۔ جو باپ ایسا نہ کرے وہ گناہِ قطعِ رحم کا مرتکب ہوتا ہے یعنی وہ ان بچوں کی پیدائش میں حائل ہوتا ہے جو اس لڑکی سے پیدا ہو سکتے تھے۔ گوتم کے بیان کے مطابق اگر کوئی لڑکی شادی کے قابل ہونے کے باوجود تین ماہ تک یونہی رہے تو اس کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے لیے شوہر منتخب کر لے۔ منو، بودھاپن اور وشت یہ کہتے ہیں کہ وہ تین سال تک انتظار کرے اگر وہ خود شوہر کا انتخاب کرلے تو وہ اپنے ساتھ ان زیورات کو نہیں لے جا سکتی جو اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے دیے ہوں۔ جنوبی ہند کے برہمنوں اور اونچے و اوسط درجے کے لوگوں میں کم سن بچوں کی شادی کا رواج مسلّم ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ رواج ان لوگوں میں ہے جو اپنے آپکو اصلی ہندو کہتے ہیں۔ نیچے کے فرقوں میں عام طور پر کم سنی کی شادی ضروری نہیں ہے، لیکن اس معاملے میں اعلیٰ فرقوں کی تتبع سال بہ سال ان لوگوں

میں زیادہ پھیل رہی ہے۔ پنجاب میں اس قسم کی شادیاں شاذ ہیں...... بنگال کے صرف مغربی نصف ملک (یعنی بہار اور مغربی بنگال) میں کم سن لڑکیوں کی شادی ایک واجبی حد تک پائی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈراویڈی قبائل کے ان لوگوں میں یہ طریقہ رائج نہیں جو بلحاظ معاشرت ہندو ہیں۔ برہما میں اس قسم کی شادی رائج نہیں ہے۔''(۴۳)

کم سنی کی شادی کا سبب

اے ایل باشم نے اپنی کتاب میں ان اسباب کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے ہندوؤں میں کم سنی شادی کا رواج عام ہو گیا اور انہوں نے مذہبی قانون کی بھی پاسداری نہیں کی:

''بچپن کی شادی کے رواج کی نشونما کے یقینی اسباب بیان نہیں کیے جا سکتے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خوف نے والدین کو مجبور کیا کہ وہ اپنی لڑکیوں کی شادی بچپن ہی میں کر دیں اور اپنی بیویوں کو مزید سختی سے گھروں میں مقید کریں، لیکن یہ دونوں طریقے مسلمانوں سے قبل بھی تھے اس لیے صرف یہی بچپن کی شادی کا سبب نہیں ہوسکتا۔ ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مذہب نے افزائش نسل پر بڑا زور دیا لیکن یہ عقیدہ ہر زمانے میں بڑا مضبوط تھا۔ ہندوستانی کردار کی جنسیت نے بھی اس میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ عورت کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ وہ فطری طور پر شہوت پرست ہوتی ہے۔ ایک غیر شادی شدہ لڑکی جو اپنے بلوغ کے قریب ہے اپنا کوئی چاہنے والا تلاش کر لے گی۔ اس کے والدین خواہ وہ کتنی ہی نظر اس پر کیوں نہ رکھیں، اگر وہ اپنی دوشیزگی سے محروم ہو جاتی تھی تو وہ شادی کے قابل نہیں رہتی تھی اور والدین کے حصے میں بے عزتی آئے گی اور انہیں ایک غیر معینہ مدت تک ایک غیر شادی شدہ لڑکی کے اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے یا اس سے زبردست بے عزتی ہوگی کہ وہ اس کو نکال دیں پھر وہ بھکاری بن جائے گی یا کوئی پیشہ ور طوائف۔ والدین کے نقطہ نظر سے ایک لڑکی بڑی معاشی ذمہ داری ہوتی تھی۔ تخیّل نے بھی بچپن کی شادی کی ہمت افزائی کی ہوگی۔''(۴۴)

بعض ہندو مذہبی کتابوں میں صراحتاً بچپن کی شادی کو تکلیف کا ذریعہ اور بے فائدہ قرار دیا ہے اور اس کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جب عورت مرد بیاہ کرنا چاہیں تب علم، انکساری، سیرت، شکل، عمر، طاقت، خاندان اور جسم کا اندازہ وغیرہ بطریق مناسب ہونا چاہیے۔ جب تک ان کا میل نہیں ہوتا تب تک بیاہ میں کچھ راحت نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی بچپن میں بیاہ کرنے سے راحت ہوتی ہے ......آٹھ، نو اور دسویں برس میں بھی بیاہ کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ سولہویں برس بعد چوبیس برس تک بیاہ کیا جاوے تو عورت کا رحم پورا اور جسم بھی طاقتور ہوگا اور طاقتور مرد کے پختہ نُطفہ سے اولاد عمدہ ہوگی جیسے آٹھ برس کی لڑکی سے اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔''(۲۵)

ماقبل بیان کیے گیے کم سنی کی شادی سے متعلق تمام اقتباسات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بچپن کی شادی سے متعلق مذہب اور معاشرہ میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مذہب نے بچپن کی شادی کو تکلیف کا ذریعہ قرار دے کر غیر مناسب قرار دیا ہے اور اسے لڑکا اور لڑکی کی جسمانی حالت کے بگاڑ کا سبب ظاہر کیا ہے، مگر دوسری طرف معاشرہ میں بچپن کی شادی کو رواج دے کر عام کیا گیا ہے اور اس کی وجہ لڑکی کی عزت کی حفاظت کو قرار دیا گیا ہے۔

بچپن میں منگنی اور بعد از بلوغت رخصتی

بعض ہندوؤں نے بچپن کی شادی کے بارے میں ایک درمیانی توجیہہ یہ نکالی ہے کہ بچپن میں صرف منگنی اور نسبت طے کی جاتی تھی، جبکہ رخصتی اور مباشرت بلوغت کے بعد ہوتی تھی۔ جان ڈی مین نے اس توجیہہ کو اپنی کتاب ''قانون ورواج ہنود'' میں بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ بچپن میں صرف منگنی ہوتی اور رخصتی بعد میں ہوتی تھی۔ مصنف نے اس رسم کو 'مکلاوا'' کا نام دیا ہے۔

''دوسرے مقامات میں ایسی شادی جو بچوں کے مابین ہو محض ایک منگنی ہے جو مسترد نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد مزید رسوم بالغ ہونے پر ادا کیے جاتے ہیں جنہیں مکلاوا کہا جاتا ہے......بعض مرتبہ باپ اپنے لڑکے کے لیے دوسرے شخص

کی لڑکی کی پیدا ہوتے ہی بات چیت کرتا ہے اور وہ دونوں شادی شدہ متصوّر ہوتے ہیں لیکن یہ انتظام منگنی سے زیادہ نہیں ہے، جبکہ بلوغ سے قبل مباشرت کی اجازت نہیں ہے۔''(۲۶)

کم سنی کی شادی کی صورت میں فریقین کو خیارِ بلوغ

جان ڈی مین نے بچپن کی شادی کے ایک اور پہلو کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بچپن میں شادی کی صورت میں فریقین کو بالغ ہونے کے بعد اختیار حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہیں تو اس بیاہ کو جاری رکھیں جوان کے والدین نے کیا تھا اور اگر کسی ایک کو بھی اعتراض ہو تو وہ اس بیاہ کے معاہدہ کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس اختیار کو اسلامی اصطلاح میں ''خیارِ بلوغ'' کہا جاتا ہے۔

''بعض مرتبہ باپ اپنے لڑکے کے لیے دوسرے شخص کی لڑکی پیدا ہوتے ہی بات چیت کرتا ہے اور دونوں شادی شدہ متصور ہوتے ہیں لیکن یہ انتظام منگنی سے زیادہ نہیں ہے۔ بلوغ سے قبل مباشرت کی اجازت نہیں ہے اور حقیقی فریقین اگر چاہیں تو اس انتظام کو بحال رکھنے سے انکار کر سکتے ہیں جوان کے والدین نے کیا تھا۔''(۲۷)

والدین کی رضامندی

باقی مذاہب کی طرح ہندومت میں بھی شادی کے لیے سب سے ضروری چیز لڑکا اور لڑکی کی رضامندی ہے، جبکہ والدین کی رضامندی کا ہونا مناسب اور اچھا شگن خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر والدین راضی نہ ہوں تو پھر شادی نہیں ہوگی۔ بیاہ میں اصل اہمیت اور بیاہ کا سارا دارومدار دُلہا و دلہن کی رضامندی پر موقوف ہے۔ دیانند سرسوتی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''لڑکا اور لڑکی کے اختیار میں بیاہ کا ہونا افضل ہے۔ اگر ماں باپ بیاہ کرنا کبھی سوچیں تو بھی لڑکا لڑکی کی رضامندی کے بغیر نہ ہونا چاہیے، کیونکہ ایک دوسرے کی رضامندی سے بیاہ ہونے میں رنجیدگی بہت کم پیدا ہوتی ہے اور اولاد عمدہ

ہوتی ہے۔ بلا رضامندی کے بیاہ میں ہمیشہ تکلیف ہی رہتی ہے۔ بیاہ میں خاص تعلق لڑکے لڑکی کا ہے' ماں باپ کا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ان میں باہم خوشی رہے تو انہی کو راحت اور رنجیدگی میں انہی کو دکھ ہوتا ہے۔'' [۲۸]

منو کے نزدیک والدین کی رضامندی لازمی نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس کا باپ یا باپ کی اجازت سے بھائی جس کے ساتھ بھی بیاہ دیں وہ موت تک اس کی خدمت کرے گی۔ اس کے مرجانے کے بعد (اس کی یاد کی بھی) ہرگز توہین نہ کرے گی۔'' [۲۹]

ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں کہ ہندو دھرم میں عورت کی شادی کا فیصلہ ہمیشہ والدین ہی کرتے ہیں اور وہ اس پر مجبور ہوتی ہے:

''ہندو عورت کے لیے شادی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی ماں باپ اس کے لیے شوہر تجویز کر دیتے ہیں جو اس کی قسمت کا مالک ہوگا۔ اب گویا وہ اس شخص کی ملک ہوگئی اور خواہ وہ شوہر بدشکل ہو' ظالم ہو' بے رحم ہو' اس بے چاری عورت کی شادی اسی کے ساتھ ہوگی اور اگر نہ ہوئی تو وہ کہیں کی نہ رہے گی۔'' [۳۰]

والدین کی شادی میں رضامندی کے حوالے سے روایات دو طرح کی ہیں:
① والدین کی رضامندی ضروری نہیں' بلکہ زوجین کی رضامندی کا اعتبار ہوگا۔ ② فریقین کی نہیں' بلکہ والدین کی رضامندی ضروری ہے۔ اب ان دونوں قسم کی روایات کو ہم اس طرح تطبیق دے سکتے ہیں کہ پہلے زمانے میں تو فریقین کی رضامندی کو ضروری سمجھا جاتا تھا مگر موجودہ دور میں والدین کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس کے ساتھ مرضی چاہیں' بیاہ کر دیں اور لڑکی کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ اس سے انکار کرے۔ ''تاریخ تمدنِ ہند'' میں بھی یہی توجیہہ بیان کی گئی ہے:

''رگ وید کے زمانے میں جب زندگی بہت سادہ ہوتی تھی اور دنیاوی اغراض کم' تو رفیق زندگی منتخب کرنے کا اختیار لڑکی کو تھا۔ یہ اختیار بہت جلد اس سے لے لیا گیا اور خاندان والے اپنا فائدہ دیکھ کر رشتے جوڑنے لگے۔'' [۳۱]

شادی کے لیے مہورت نکالنا

سگائی (منگنی) کی طرح ہندو اپنی شادیوں کے لیے بھی مہورت نکالتے ہیں۔ اس سے شادی کے لیے مناسب اور موزوں وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ ہندو معاشرہ میں مہورت کے بغیر شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ مہورت نکالنے کو بہت اہم اور ضروری تصور کرتے ہیں۔ مہورت کے بارے میں ارتھ ''سنسکار رودھی'' میں ملتا ہے:

''اترائین شُکل کپش اچھے دن یعنی جس روز سب طرح سے خوشی اور آنند ہو' اسی دن شادی کرنی چاہیے۔'' [۳۲]

مصنف اس ارتھ کو بیان کرنے کے بعد بڑے افسوس سے کہتے ہیں کہ مہورت نکالنے والے مہورت نکالتے وقت یہ خیال نہیں کرتے کہ جن کا مہورت نکالا جا رہا ہے وہ مناسب عمر' اوصاف' تندرست اور باہم رضامند ہیں بھی یا نہیں۔ اور مہورت نکالنے والے اپنے پیسے کمانے کے لیے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ابھی شادی کے لیے کوئی مناسب وقت نہیں ہے۔ اس کا مقصد پیسے بٹورنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ [۳۳]

مہورت ضروری نہیں ہے

ہندو معاشرہ نے تو مہورت کو اپنی شادیوں کا لازمی جزء بنا لیا ہے حالانکہ یہ مذہباً کوئی ضروری نہیں ہے۔ سنسکار رودھی کا ایک اور ارتھ ملاحظہ کریں:

''کتنے ہی آچاریوں کی یہ رائے ہے کہ سَب کَال (ہر وقت) میں وواہ کرنا چاہیے۔'' [۳۴]

دیانند سرسوتی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مہورت نکالنا ضروری نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مہورت نکالنا ضروری ہوتا تو پھر اس (بیان کردہ) ارتھ کا کیا مطلب ہوتا۔ مصنف یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مہورت اس لیے نکالا جاتا ہے تاکہ چاندی رات اور مناسب موسم کا تعین کیا جائے اور جو لوگ دولت مند ہیں وہ یہ سب خود بھی کر سکتے ہیں لہٰذا وہ جب چاہیں بیاہ کر سکتے ہیں۔

شادی کے دن کی تفصیل

اس سے پہلے ہم نے منگنی اور شادی سے متعلق چند قوانین کا جائزہ لیا اب ہم یہاں سے شادی کے دن کو تفصیل اور ترتیب سے بیان کرتے ہیں:

بارات کا دلہن کے گھر جانا

شادی کے دن دُلہا تیار ہو کر اپنے باراتیوں کے ساتھ دلہن کے گھر جاتا ہے اور دلہن کے رشتہ داران کا استقبال کرتے ہیں اور ان کی خاطر مدارت کرتے ہیں۔

''دُلہا لباس فاخرہ میں ملبوس ہو کر اپنے اقارب واحباب کی معیت میں دُلہن کے گھر جاتا ہے اور وہاں دلہن کا باپ ''مدھوپَرک'' سے اس کی تواضع کرتا تھا۔ یہ شہد اور دہی سے مرکب ایک مبارک مشروب تصور کیا جاتا تھا۔''(۳۵)

دیانند سرسوتی نے بارات کے استقبال کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دُلہا بارات لے کر دلہن کے گھر پہنچے تو دلہن اور دلہن کے ماتا پتا (ماں باپ) اور دوسرے رشتے داران کا استقبال کریں اور دُلہا کے لیے جو مخصوص کرسی تیار کی گئی ہے اس پر اسے بیٹھائیں۔ پھر دُلہا کے پاؤں اور منہ کو دھلوایا جائے۔ پھر دُلہا کو پینے کا پانی پیش کیا جائے۔ اس کے بعد ''مدھوپرک'' دُلہا کو بھی دیا جائے اور اس کے ساتھ آنے والے براتیوں کو بھی پیش کیا جائے۔(۳۶)

دیانند سرسوتی نے ''مدھوپرک'' کے اجزاء کو بھی بیان کیا ہے:

''مدھوپرک کے اجزاء گھی، دہی اور شہد —— ۱۲ تولہ دہی میں ۴ تولہ گھی اور ۴ تولہ شہد ڈالنے سے مدھوپرک تیار ہو جاتا ہے۔ اس مدھوپرک کو کانسی کے برتن میں رکھنا چاہیے۔''(۳۷)

منڈپ میں شادی

ہندو مذہب میں شادی ایک خیمہ میں کی جاتی ہے جو لڑکی کے گھر کے صحن میں بنایا جاتا ہے اور اسے ہندو اصطلاح میں ''یگیہ منڈپ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اے ایل باشم

اس منڈپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''عام طور پر شادی کی تقریب ایک خیمہ کے اندر انجام پاتی تھی۔ یہ خیمہ مکان کے صحن میں لگایا جاتا تھا۔ دُلہا اور دلہن الگ الگ اس خیمہ میں داخل ہوتے تھے اور ایک چھوٹے سے پردے کے دونوں طرف بیٹھ جاتے تھے۔ اس تقریب کو انجام دینے والا برہمن مقدس منتر پڑھتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی درمیانہ پردہ ہٹا دیا جاتا تھا۔ اب دُلہا دلہن ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ اکثر یہ پہلی دید ہوتی تھی۔''(۳۸)

اَگنی/آگ بطور گواہ

منڈپ میں اَگنی کا ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ ہندو مذہب میں شادی کے موقع پر آگ کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اس آگ کے لیے قیمتی لکڑی اور قیمتی گھی وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے۔

''کاریہ کرتا یا دوسرا کوئی اور یگیہ منڈپ میں جا کر کنڈ کے نزدیک ہو کر لکڑی' مشک' کافور اور گھی وغیرہ سے آگ شعلہ زن کرے اور آہوتی کے لیے خوشبویات ملایا ہوا گھی آگ پر گرم کر کے کانسی کے برتن میں ڈال رکھے۔''(۳۹)

پانی گرہن یا ہاتھ پکڑنے کی رسم

جب دُلہا دلہن منڈپ میں بیٹھے ہوں تو اس وقت پانی گرہن کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ دُلہا منتر پڑھ کر دلہن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو بتایا جا سکے کہ دُلہا اپنی بیوی کو بہت عزت دیتا ہے۔ دیانند سرسوتی اس رسم کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ پانی گرہن یا ہاتھ پکڑنے کے چھ منتر ہیں۔ یہ رسم جو کہ شادی کا نشان سمجھی جاتی ہے' کسی نہ کسی شکل میں دنیا کی تمام قوموں میں پائی جاتی ہے (اس رسم کو ادا کرتے وقت چھ منتر پڑھے جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:) اے پیاری ہر ایک قسم کے جاہ وحشمت والا میں تیرے ہاتھ کو گرہن کرتا ہوں اور دھرم کے راستے پر چلانے والا میں تیرے ہاتھ کو پکڑ چکا ہوں (یعنی تجھے اپنی دھرم پتنی بنا کر تجھے

سو یکار کر چکا ہوں) تو دھرم سے میری پتنی (زوجہ) اور میں دھرم سے تیرا گرہ پتی (خاوند) ہوں۔''(۴۰)

دلہن کا پتھر پر پاؤں رکھنا

پانی گرہن کی رسم کے بعد لڑکی کا بھائی اپنے بہن کا پاؤں پکڑ کر پتھر کے سِل پر رکھواتا ہے اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض کو بخوبی سرانجام دے گی:

''دلہن کو پتھر کی شلا (سِل) پر کھڑا کرانے اور اس منتر کے بولنے کا یہی بھاؤ ہے کہ وہ اپنے فرائض کو سرانجام دینے میں چٹان کی طرح مضبوط ارادہ والی ہوگی اور زندگی کی جدو جہد میں جو جو رکاوٹیں اس کے سامنے آئیں وہ ان کو پورے حوصلے، استقلال اور زبردست قوت ارادی سے دور کرے۔''(۴۱)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دلہن کی ماں یا بھائی دائیں ہاتھ سے لڑکی کا دایاں پاؤں اٹھوا کر پتھر کی سِل پر رکھوائے اور یہ منتر پڑھے:

''اے دیوی: اس پتھر کے اوپر چڑھ کر اس پتھر کی طرح تو دھرم کے کاموں میں درڑھ (مستقل مزاج) ہو۔ برے جذبات کی ترغیبوں کو دبا کر بڑے مضبوط ارادہ سے قائم ہو۔''(۴۲)

دُلہا دلہن کا تنہائی میں ملنا

ان رسموں کو ادا کرنے کے بعد دُلہا اپنی دلہن کو تنہائی میں ملتا ہے۔اس رسم کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ دلہن نے اتنے سال اپنے ماں باپ کے گھر گزارے اور اب ان کو الوداع کہتے ہوئے وہ بہت دکھی ہوگی اس لیے دُلہا تنہائی میں مل کر اس کو اپنی وفاداری کا احساس دلائے اور اسے یقین دلائے کہ وہ اسے خوش رکھے گا:

''جس لڑکی نے سولہ سترہ سال تک جس گھر اور جن رشتہ داروں میں رہ کر پرورش پائی، آج وہ اس گھر کو ایک طرح سے ہمیشہ کے لیے الوداع کہنے کو ہے۔اس علیحدگی پر قدرتی طور پر اس کے دل پر کتنا غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔گھر والوں کے پریم کی اس قدرتی زبردست کشش سے علیحدہ ہوتے وقت جس قدر صدمہ اسے پہنچے گا۔اس کا خیال کر کے اور علیحدگی میں لے جا کر اسے تسلی دیتا ہے اور کہتا ہے

کہ میرے پاس تجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور میں تمہاری ہر طرح سے خبر گیری کروں گا اور تجھے خوش و خرم رکھنے کے لیے کوئی بات اٹھا نہ رکھوں گا۔''(۴۳)

دُلہا دلہن کے کپڑوں کو گرہ لگانا

ہندو شادی کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ وہ ان کے کپڑوں کو گرہ لگا کر یہ تصور دیتے ہیں کہ یہ اس گرہ کی طرح پیار میں بھی مضبوطی سے بندھے رہیں گے اور ان کا پیار کبھی ختم نہیں ہوگا۔

''اس موقعہ ور (دُلہا) کے اُپ وستر (دوپٹہ، صافہ وغیرہ) کے ساتھ دلہن کے اُتریہ وستر (سالو، چادر، دوپٹے وغیرہ) کی گانٹھ دینی چاہیے۔''(۴۴)

کنیا دان کرنا

جب یہ تمام رسمیں ادا ہو جاتی ہیں تو دلہن کا باپ یا بھائی لڑکی کو رسماً لڑکے کے ہاتھ میں دیتے ہوئے یہ عہد لیتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اس کا خیال رکھے گا۔اس رسم کو کنیا دان کرنا یا ''سپت پدی کی رسم'' بھی کہتے ہیں:

''دلہن کا باپ آگے بڑھتا ہے اور رسمی طور پر اپنی لڑکی دُلہا کے حوالے کر دیتا، جو یہ وعدہ کرتا کہ وہ اس کے ساتھ زندگی کے روایتی سہ گانہ مقاصد کی تکمیل میں کوئی بے وفائی نہیں کرے گا یعنی پاکبازی، دولت اور مسرت۔''(۴۵)

اَگنی کے گرد پھیرے لینا

ہندو شادی کی سب سے اہم اور ضروری رسم ''اگنی کے گرد پھیرے لینے'' کی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگنی کو گواہ مان کر اس کے گرد ساتھ پھیرے لیے جاتے ہیں ان میں سے چار میں مرد آگے ہوتا ہے اور باقی تین میں لڑکی آگے ہوتی ہے۔یہ پھیرے اصل میں سات عہد ہیں جو وہ ایک دوسرے سے کرتے ہیں:

''۱۔اناج وغیرہ کے لیے تو ایک پاؤں چل

۲۔بل حاصل کرنے کے لیے دو پیر چل

۳۔دھن اور علم کی ترقی کے لیے تین پاؤں چل

۴۔سکھ حاصل کرنے کے لیے چوتھا پاؤں چلی

۵۔سَنتان کی پرورش کے لیے پانچواں پاؤں چلی

۶۔موسموں کے مطابق سب کام کاج کرنے کے لیے چھٹا پاؤں چلی

۷۔رشتہ محبت قائم کرنے کے لیے ساتواں پاؤں چلی۔''[۴۶]

ان پھیروں کا طریقہ کار ''اے ایل باشم'' نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

''پھر آگ میں گھی اور چاول ڈالے جاتے اور جب دلہن یہ جنس آگ میں ڈالتی ہوتی تھی تو دُلہا اس کے ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے آگ کا طواف کرتی۔اس حالت میں عام طور سے دونوں کے دامن کے گوشے ایک دوسرے سے بندھے ہوتے تھے۔اس کے بعد وہ چکّی کے پاٹ پر چلتی پھر دونوں ایک ساتھ سات قدم چلتے۔دلہن کے ہر قدم کے نیچے تھوڑا سا چاول ہوتا تھا۔پھر ان دونوں پر مقدس پانی چھڑکا جاتا اور اس طرح اس تقریب کا خاص حصہ انجام پذیر ہوتا۔''[۴۷]

آشیر باد لینا

پھیروں کے بعد شادی اپنے پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔اس لیے پھیروں کے بعد دُلہا دلہن اپنے والدین سے پیار اور دعائیں لیتے ہیں جن کو ہندو اصطلاح میں ''آشیر باد'' کہا جاتا ہے:

''دونوں کے باپ مندرجہ ذیل الفاظ میں لڑکی کو آشیر باد دیتے ہیں ''تم اپنے شوہر سے ویسے ہی رہنا جیسی سیتا' رام کے لیے۔رکمنی' کرشن کے لیے۔دموری' راون کے لیے۔سچی' اندر کے لیے تھی۔''[۴۸]

قطب ستارہ دیکھنا

ہندو شادیاں عموماً شام یا رات کے وقت ہوتی ہیں اس لیے کہ ان کی شادیوں میں ایک رسم ستارہ دیکھنے کی بھی ہوتی ہے اور ستارہ رات کو ہی دیکھا جا سکتا ہے۔یہ قطب ستارہ وفا کی علامت مانا جاتا ہے اس لیے دُلہا و دلہن اس کو دیکھ کر وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ہندو اصطلاح میں اس تارے کا نام ''اروندھتی ستارا'' ہے۔

''اے اروندھتی تارے! جیسے تو سپت رشی تاروں کے نزدیک ہمیشہ رکا ہوا ہے

ویسے میں بھی......(پتی کا نام) نام والے کی......(یہاں کنیا اپنا نام لے) نام والی اپنے پتی کے نیم میں رک گئی۔''[۴۹]

شادی کی چند معاشرتی رسومات

اس سے پہلے ہم نے جن رسومات کا تذکرہ کیا وہ سب مذہبی رسومات تھیں اور اب چند ان معاشرتی رسومات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کو ہندو شادیوں میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور ان کے بغیر وہ اپنی شادیوں کو مکمل تصور نہیں کرتے۔''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' کے مصنف نے[۵۰] بڑی تفصیل سے ان رسومات کو بیان کیا ہے۔ہم ان میں سے چند کو بیان کرتے ہیں:

① **پیڑا:** ''یہ شادی کی اولین رسوم میں سے ایک رسم ہے۔''پیڑا'' باریک پیسی ہوئی ماش یعنی ''پیٹھی'' سے بنایا جاتا ہے۔دلہا ایک لکڑی کی تھال پر بیٹھتا ہے اور مرکزی دیوتاؤں کی مدد مانگی جاتی ہے۔بالخصوص دولت کی دیوی سے جس کی شبیہہ موجودہ دور کے ایک سکّے پر بنی ہے۔یہ سکّہ ہر ایک رسم میں استعمال ہوتا اور بہ احتیاط سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔شادی کے بعد آٹے سے ان دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں بنائی جاتی ہیں۔''پیٹھی'' اور اس سے بنی ہوئی ایک مٹھائی تمام رشتہ داروں اور دوستوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔''

② **مائیاں:** ''دلہا معمول کی مذہبی رسمیں ادا کر لے تو اسے لکڑی کے ایک سٹول پر بٹھایا جاتا ہے۔قریبی رشتہ دار اس کے چہرے پر خوشبودار تیل اور ''بٹنا'' ملتے ہیں۔پھر اسے کسی اچانک حملے سے اپنے بچاؤ کے لیے ایک لکڑی کا ہتھیار دیا جاتا ہے۔اس کی کلائی پر ''کنگنا'' نامی دھاگا باندھتے ہیں اور تب کے بعد اسے شادی ہو جانے تک کبھی اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔''

③ **تیل چڑھانا:** ''گورداسپور میں رشتہ دار عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں اور ان میں سے پانچ یا سات سہاگنیں دلہا یا دلہن کو (یعنی تقریب کی مناسبت سے) تیل لگاتی ہیں۔اس رسم کو ''تیل چڑھانا'' کہتے ہیں۔ان کے جسموں پر ''وٹنا'' یا ''بٹنا'' بھی ملا جاتا ہے۔''

④ **جُوٹھا ٹِکّا لگانے کی رسم:** ''جب بارات قصبے یا گاؤں سے باہر ٹھہری ہوتو یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔دلہا کی پیشانی پر کیسر سے ایک ''ٹیکا'' (لائن) لگایا جاتا ہے اور باقی کا کیسر دلہن کو بھجوا دیتے ہیں۔اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تابع فرمان رہے۔تب قصبے کے کچھ معزز افراد عزت افزائی کے لیے بارات کی طرف جاتے ہیں تاکہ انہیں ٹھہرنے کے لیے مخصوص کردہ جگہ تک لیجا سکیں۔''

⑤ **جُھلڑیاں:** ''کچھ شادی شدہ عورتیں شادی کے گیت گاتی ہوئی جاتی اور قریبی کنوئیں سے پانی لاتی ہیں۔اس میں سے کچھ پانی کے ساتھ وہ دلہن کو نہلاتی اور باقی پانی ایک چھوٹے سے لکڑی کے برتن میں ڈال دیتی ہیں جو دلہا کے ساتھ مخصوص رسموں کی ادائیگی میں استعمال ہوتا ہے۔''

⑥ **لسّی پیر:** ''جب شادی کی رسوم انجام دی جارہی ہوں تو دلہا کی ماں اپنے گھر میں دیگر رشتہ دار عورتوں کے ہمراہ دودھ میں پانی ملا کر اپنے پاؤں اس میں ڈالتی ہے۔اس کے بعد وہ بوڑھی عورتوں سے کہتی ہے کہ وہ اس کے بیٹے اور بہو کو دعائیں دیں کہ جس طرح دودھ میں پانی ملا ہوا ہے اسی طرح وہ دونوں بھی ہمیشہ محبت کے ساتھ یکجا رہ کر زندگی گزاریں۔''

⑦ **پانی وارنا:** ''جب جوڑا گھر کے قریب آئے تو خاندان کی کچھ عورتیں عزت کے ساتھ ان کا استقبال کرتی ہیں۔ماں پانی کا ایک پیالہ اپنے بیٹے اور بہو کے سامنے سات مرتبہ لہراتی اور پھر اس میں سے پانی پی لیتی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ خوشی سے اور اپنے بیٹے سے محبت کی خاطر وہ تمام مصیبتیں اپنے سر لے رہی ہے جو مستقبل میں ان دونوں میں سے کسی پر نازل ہوسکتی ہیں۔''

⑧ **مُکلاوا:** ''لڑکی سسرال میں چند دن ٹھہرنے کے بعد اپنے باپ کے گھر واپس جاتی ہے۔شوہر ایک مخصوص عرصے (شادی کے دن سے لے کر ایک تا تین سال) بعد اپنے چند دوستوں کے ہمراہ اُسے واپس لینے جاتا ہے۔اس موقعہ پر لڑکے کا سُسر اسے کچھ جوڑے اور زیور دیتا ہے۔''

ان رسومات کے علاوہ بھی بہت سی ایسی رسومات ہیں جن کا مذہب سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔ان رسومات کی تفصیل ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مہر کا تصوّر

ہندو دھرم میں مہر کا ذکر نہیں ملتا۔گھر والے لڑکی کو جو دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔چونکہ ہندومت میں مہر کا کوئی تصور نہیں ہے اس لیے اس کے بارے میں کوئی خاص تفصیل بھی موجود نہیں ہے۔البیرونی ہندو بیاہ میں مہر کے تصور کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''زوجین کے درمیان مہر کا ذکر نہیں آتا بلکہ حوصلے کے مطابق عورت کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے اور جو کچھ دینا ہے اسی وقت دے دیا جاتا ہے جس کو واپس لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ عورت اپنی خوشی سے ہبہ کردے۔''[51]

محرمات

دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں یہ رواج ہے کہ شادیاں نہایت قریبی رشتوں کے مابین نہیں کی جاتیں مثلاً ماں اور بیٹوں کے مابین، باپ بیٹیوں کے مابین اور بہن بھائیوں کے مابین شادیوں کو ہر جگہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اسے انگریزی زبان میں Incest Taboos کہا جاتا ہے۔البتہ ہندوؤں کی تاریخ کے قدیم اوراق میں اس قسم کی شادیوں کے بھی تذکرے ملتے ہیں۔[52]

ہندو دھرم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قدیم ہندو مذہب میں ان محرمات سے بیاہ کرنا ممنوع نہیں تھا تاہم بعد میں ان محرمات سے بیاہ کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔رام راج اپنی کتاب ''ارمغان وید'' میں اس دور کا تذکرہ کرتے ہیں جب ہندو دھرم میں کسی محرم عورت کا کوئی تصور نہیں تھا:

> ''ممالک متوسط برار، بمبئی، کرناٹک اور میسوں میں بعض قومیں بھانجی کے ساتھ شادی کرنا جائز سمجھتی ہیں۔ارناڈن قوم اپنی بڑی لڑکی سے شادی جائز سمجھتی

ہے۔کھانڈ قوم اپنی خالہ سے نکاح جائز سمجھتی ہے۔کوڈیا قوم بیوہ ماں کے ساتھ بیاہ جائز سمجھتی ہے۔دام مارگی کسی عورت کو حرام نہیں سمجھتے خواہ بیٹی، بہن یا ماں ہی کیوں نہ ہو۔''(۵۳)

البیرونی نے ان محرمات کو بیان کیا ہیں جن سے بیاہ کرنا جدید ہندو دھرم میں ممنوع ہے:

''نکاح کا قانون ان کے ہاں یہ ہے کہ قرابت مندوں میں جو لوگ نسب میں زیادہ دور ہیں ان سے زیادہ بہتر ہیں جو نسب میں زیادہ قریب ہیں۔سلسلہ نسب میں جو لوگ براہِ راست نیچے کی طرف ہیں یعنی اولاد اور اولاد کی بیٹی اور جو براہِ راست اوپر کی طرف ہیں یعنی ماں، دادی، نانی اور ان کی مائیں قطعاً حرام ہیں۔ جو لوگ براہِ راست سلسلہ نسب میں نہیں ہیں بلکہ دونوں جانب (یعنی اوپر اور نیچے) ہٹ کر شاخ ہو گئے ہیں یعنی بہن، بہن کی بیٹی، پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیاں وہ بھی اسی طرح حرام قطعی ہیں۔لیکن جب وہ نسلیں متواتر پانچ بطن تک ولادت میں دور ہو جائیں تو حرمت زائل ہو کر کراہت باقی رہ جاتی ہے۔''(۵۴)

محرمات میں یہ رشتے شامل ہیں: ماں، داوی، نانی، پردادی، پرنانی...... بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی، پرنواسی...... بہن، بہن کی بیٹی...... پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیاں۔

تعدّدِ ازدواج

ہندو مذہب میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر کوئی پابندی نظر نہیں آتی۔بعض لوگوں نے اس کو ایک شرط سے مشروط کیا ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہیں، البتہ مختلف وقتوں میں کئی بیویاں رکھنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔اس دوسری شادی کو ہندو قانون میں ''پنر وواہ'' کا نام دیا گیا ہے۔دیانند سروتی نے اس دوسری شادی کو اسی نام سے موسوم کیا ہے۔دیانند سرسوتی نے تعدد ازدواج میں مختلف اوقات کی شرط لگائی ہے:

''سوال: عورت اور مرد کے بہت بیاہ ہونے جائز ہیں یا نہیں؟ جواب: ایک وقت میں نہیں۔سوال: کیا مختلف وقتوں میں ایک سے زیادہ بیاہ ہونے چاہئیں؟ جواب: ہاں''۔(۵۵)

دوسری شادی کے لیے چند شرائط

دیانند سرسوتی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں ایک سے زیادہ بیاہ ہو سکتے ہیں، مگر اس کے لیے چند شرائط بھی ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جس عورت یا مرد کا پانی گرہن ماتر سنسکار رہا ہو (محض رسوماتِ شادی ادا ہوئی ہوں) اور میل نہ ہوا ہو یعنی جوا کھشت یونی استری (باکرہ عورت) اور اکھشت ویرج مرد ہو۔ان کا دوسری عورت یا مرد کے ساتھ پنر وواہ (مکرر ازدواج) ہونا چاہیے۔''(۵۶)

تعدد ازدواج کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف ادوار مختلف تصور پیش کرتے ہیں۔قدیم دور میں تعدد ازدواج ممنوع تھا۔مرد عورت کی اجازت کے بغیر نہ تو کسی سے شادی کر سکتا تھا اور نہ کسی سے تعلق بنا سکتا تھا۔بعد میں چند شرائط اور مخصوص حالات میں دوسری شادی کا تصور وجود میں آیا۔منو نے یہ واضح کیا کہ اگر صرف شادی کی رسومات ادا ہوئی ہیں، مباشرت نہیں ہوئی تو دوسرا بیاہ جائز ہے جبکہ دیانند سرسوتی نے ایک وقت میں متعدد بیویاں رکھنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان وحدۃ الازواج اور تعدد ازدواج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ویدی آریوں میں عام طور پر وحدۃ الازواج کی رسم تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے میں راجہ اور دولت مند لوگ کئی بی بیاں کرنے لگے تھے۔جس چیز نے آریوں میں کثرت الازواج کی رسم کو جاری کیا وہ بیٹوں کی ضرورت تھی۔جب پہلی بی بی سے صرف لڑکیاں ہوتیں تو پھر اولادِ ذکور کے لیے دوسری بی بی کرنا لازم آتا۔''(۵۷)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل تو تعدد ازدواج کی ممانعت تھی اور اگر اجازت بھی تھی تو اس کے لیے کئی شرائط تھیں، مگر بعد کے ادوار میں یک زوجگی کی پابندی ختم کر دی گئی ہے۔اب تعدد ازدواج پر کوئی قید نہیں ہے، نہ پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے اور نہ ہی پہلی بیوی کے مرنے کی۔

جان ڈی مین نے اپنی کتاب ''قانون و رواجِ ہنود'' میں تعدد ازدواج پر تفصیلی تبصرہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے:

''الحاصل اب برطانوی ہند کی عدالتوں میں یہ امر قطعاً فیصل ہو چکا ہے کہ زوجگان کی تعداد کے متعلق ایک ہندو پر کسی قسم کے قیود عائد نہیں ہیں یہ کہ وہ زوجہ کی رضامندی کے بغیر دوبارہ شادی کرسکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی قسم کا عذرِ قانونی پیش کرے۔ اس کی خواہش کافی ہے' البتہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔''(۵۸)

تعدّدِ ازدواج کی حد؟

یہ بات واضح ہوگئی کہ ہندومت میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ اب یہاں یہ دیکھنا ہے کہ ایک ہندو مرد کو کتنی بیویاں رکھنے کا اختیار ہے؟ آیا اس میں تعداد کی کوئی قید ہے یا نہیں اور اگر تعداد کی قید ہے تو وہ کیا ہے؟

مختلف اقتباسات سے پتا چلتا ہے کہ ایک ہندو مرد کو زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت ہے' جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک بیویوں کی تعداد ذات کے اعتبار سے ہے۔ برہمن کے لیے چار' کھشتری کے لیے تین' ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے صرف ایک بیوی رکھنے کی اجازت ہے۔ عبد المجید سالک اپنی کتاب ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' میں لکھتے ہیں:

''ہندوؤں میں زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی جگہ وہ ایک اور بیوی کرسکتا ہے۔ بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ بیویوں کی تعداد ذات اور ورن پر موقوف ہے مثلاً برہمن کو چار' کھشتری کو تین' ویش کو دو اور شودر کو ایک بیوی رکھنے کا حق ہے۔''(۵۹)

پیر کرم شاہ اپنی کتاب ''ضیاء النبی ﷺ'' میں لکھتے ہیں:

''آریوں کے نزدیک تعداد ازدواج کی اجازت تھی۔ چار عورتوں سے بیک وقت وہ شادی کرسکتے تھے۔''(۶۰)

البیرونی تعدد ازدواج کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مرد کو حق ہے کہ ایک سے زیادہ چار بیوی تک کرے۔ چار سے زیادہ حرام ہے' لیکن اگر ان چار میں سے جو اس کے پاس ہیں' کوئی ایک مر جائے تو دوسری سے اس عدد کو پورا کرسکتا ہے لیکن چار سے زیادہ نہیں کرسکتا۔''(۶۱)

ہندو مذہب کے مطابق ایک آدمی چار سے زیادہ شادیاں نہیں کرسکتا ہے مگر راجے مہاراجے اس قانون سے بالاتر نظر آتے ہیں۔ ان کی تو اَن گنت بیویاں ہوتی تھیں۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''آریوں کے نزدیک تعدد ازدواج کی اجازت تھی۔ چار عورتوں سے بیک وقت وہ شادی کرسکتے تھے اور ان کے راجے مہاراجے ہر قسم کی پابندی سے بالاتر تھے۔ انہیں اَن گنت عورتوں سے شادیاں رچانے کی کھلی چھٹی تھی۔''(۶۲)

متعدّد شوہروں/مشترکہ بیوی کا رواج

ہندومت میں ایک طرف تو شوہر کو مکمل آزادی دی گئی ہے کہ وہ جتنی چاہے شادیاں کرے تو دوسری طرف عورت کو بھی بیک وقت متعدد شوہر رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ قدیم قوموں میں یہ رواج تھا کہ چند بھائیوں کی ایک مشترکہ بیوی ہوتی تھی۔ اس شادی کو ''پولندری بیاہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ ارمغان وید کے مصنف لکھتے ہیں:

''پہاڑی اقوام میں کئی بھائیوں میں ایک عورت کافی سمجھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اس سے زمین تقسیم نہیں ہوتی اور خاندان میں ایکا رہتا ہے یہ ''پولندری بیاہ'' کہلاتا ہے۔''(۶۳)

رام راج نے ان علاقوں کا مختصراً ذکر کیا ہے جن میں چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج عام تھا اور پولندری بیاہ کو جائز تصور کیا جاتا تھا:

''دیرہ دون پرگنہ چون سار کی پہاڑی اقوام میں کئی بھائیوں میں ایک عورت کافی سمجھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اس سے زمین تقسیم نہیں ہوتی اور خاندان میں ایکا رہتا ہے' یہ ''پولندری بیاہ'' کہلاتا ہے۔ اگر کوئی بھائی اس پر راضی نہ ہو تو اسے دوسرا مکان بنا کر دوسری عورت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ تبت اور بھوٹان میں بڑا بھائی شادی کرتا ہے اور چھوٹے بھائی باری باری اس سے کام نکال لیتے ہیں۔

پنجاب میں پولنڈری طریقہ پر بیاہ کرنے والے دوہرا مکان بناتے ہیں۔اگلے حصے میں تمام بھائی رہتے ہیں اور پچھلے حصے میں ان کی اکلوتی بیوی رہتی ہے۔ان بھائیوں میں سے جو وہاں جاتا ہے وہ دروازے پر اپنا جوتا یا ٹوپی رکھ دیتا ہے۔واپسی پر اسے ہٹا لیتا ہے تاکہ دوسرے بھائیوں کو موقع ملے ......پنجاب میں اگر کسی کا بھائی نہ ہو تو وہ کسی دوسرے کو اپنا شریک بنا لیتا ہے ایسے شخص کو دھرم بھائی کہتے ہیں۔یہ رسوم کنیٹ' جاٹ' راجپوت اور کشمیر کے ٹھاکر اور میگھ اقوام میں جاری ہیں جو آریائی نسل کے لوگ ہیں۔''(۶۴)

پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں اب بھی ہندوؤں میں اس قسم کی رسوا کن شادیاں ہوتی رہتی ہیں۔متعدد بھائی ایک بیوی کو اپنی زوجہ بنائے رکھتے ہیں۔اسلام سے قبل عرب میں بھی اس قسم کی ذلت آمیز شادیوں کا رواج تھا۔ان میں سے ایک زواج بدال ہوتا تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی شخص کے لیے مباح کر دیتا اور وہ شخص اس کے بدلے میں اپنی بیوی کو اجازت دے دیتا کہ وہ اس شخص سے ہم بستری کرے۔''(۶۵)

بعض قبائل میں تو چند رشتہ داروں کی مشترکہ بیوی کا رواج بھی عام تھا:

''چھوٹیوں میں ایک عورت کئی بھائیوں (یا دیگر قریبی رشتہ داروں) کی زوجہ کی حیثیت سے خاندان میں داخل ہوتی ہے۔یہ عمل تا حال جاری ہے۔مدورا کے توتیاروں میں بھائی' چچا' بھتیجے اور دوسرے قرابت داروں کی زوجگان مشترکہ ہوتی ہیں اور ان کے مذہبی پیشوا ان کی مرضی کے خلاف انہیں مجبور کرتے ہیں کہ اس رواج کو قائم رکھا جائے۔''(۶۶)

متعدّد شوہروں کی صورت میں اولاد کس کی ہوگی؟

اگر ایک عورت کئی مردوں کی مشترکہ بیوی ہے تو اس کی اولاد کا نسب کس کے ساتھ ملے گا۔اس بارے میں دو قانون ملتے ہیں:

① چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی سے ہونے والی اولاد بڑے بھائی کی شمار ہوگی اور اولاد کا نسب بھی اسی سے جوڑا جائے گا۔رام راج لکھتے ہیں:

''بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔اس عورت سے جو بچے ہوتے ہیں وہ بڑے بھائی کے سمجھے جاتے ہیں اور بچے اپنے زیادہ باپوں پر فخر کرتے ہیں اور سب کو اپنا باپ سمجھتے ہیں۔''(۶۷)

② بعض خاندانوں میں مشترکہ بیوی سے ہونے والی اولاد بھائیوں کی ترتیب پر ہوگی۔یعنی بڑا بیٹا بڑے بھائی کا' دوسرا دوسرے بھائی کا علیٰ ہذا القیاس۔جان ڈی مین لکھتے ہیں:

''اگر تین یا چار بھائیوں میں ایک ہی زوجہ ہو تو بڑا بھائی بڑے بیٹے کا اور چھوٹا بھائی چھوٹے بیٹے کا' نیز اسی ترتیب سے باپ سمجھا جاتا ہے۔قانون کا یہ قیاس قطعی ہے اگرچہ واقعات اس کے خلاف ہوں۔''(۶۸)

متعدد شوہروں والی شادی کا سبب

اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ان قوموں میں عورتوں کی کمی ہوتی ہے اس لیے کئی کئی مردوں کو ایک عورت پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔مگر وہ لوگ یہ سمجھنے سے عاری ہیں کہ عورتوں کی کمی اسی رسم بد کی وجہ سے ہوتی ہے۔جب ایک عورت کئی مردوں کی شہوت رانی کا شکار ہوتی ہے اول تو اس کے ہاں اولاد کم ہوتی ہے کیونکہ مختلف خون کے اثرات سے استقرارِ حمل میں رکاوٹ ہوتی ہے۔دوسرا ایسی عورتیں جلد مر جاتی ہیں اور معاشرے میں عورتوں کی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔خاص کر اس لیے بھی کہ یہ شادیاں کم عمری میں ہو جاتی ہیں اور بچیاں کئی کئی مردوں کی یلغار کی تاب نہ لا کر جلد مر جاتی ہیں یا صحت بگاڑ لیتی ہیں۔(۶۹)

بیوہ کا نکاحِ ثانی

بیوہ کے نکاح ثانی کے بارے میں ہندو مذہبی رہنماؤں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض اسے جائز تصور کرتے ہیں اور بعض اسے ناجائز اور گھٹیا خیال کرتے ہیں۔مذہب کا تو اس میں اتفاق نہیں ہو سکا' لیکن معاشرے میں بیوہ کے بارے میں ایک ہی رواج موجود ہے کہ وہ ساری عمر اپنے شوہر کی بیوہ بن کے زندگی گزارے اور زندگی کی ہر آسائشوں سے اسے محروم کر دیا جائے۔منوسمرتی میں بیوہ کے نکاح ثانی کو منع کیا گیا ہے:

''عورت کے لیے قربانی اور بَرت کرنا گناہ ہے۔صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے۔عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے۔کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔''[۷۰]

البیرونی لکھتے ہیں:

''اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتی۔اسے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے: یا تو وہ زندگی بھر بیوہ رہے یا خود سوزی کر لے اور خود سوزی یعنی ستی ہو جانے کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیا جاتا ہے وہ جلنا چاہیں یا نہ چاہیں۔یہ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکیں جس سے ان کے نامور شوہر کے نام کو دبّہ لگے۔صرف عمر رسیدہ عورتیں اور وہ عورتیں جن کے بچے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے بیٹوں پر چھوڑ دی جاتی ہے۔''[۷۱]

محمد مجیب اپنی کتاب ''تاریخ تمدنِ ہند'' میں بیوہ کے دوسرے بیاہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس معاشرے میں جس کا نقشہ ہمیں اَرتھ شاستر میں ملتا ہے، بیوہ عورتوں کے لیے دوبارہ شادی کر لینا کچھ مشکل نہ ہوگا، لیکن پورے ہندوستان کے حالات ایک سے نہیں تھے۔منو دھرم شاستر میں بیوہ کے لیے خدمت اور عبادت کے سوا عمر کاٹنے کا کوئی اور طریقہ تجویز نہیں کیا گیا تھا۔یونانیوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے کھشتریوں میں ستی کی رسم تھی اور بیوہ اپنے لیے بڑی عزت اور خوشی کی بات سمجھتی تھی کہ وہ شوہر کی چِتا پر جل کر اپنی جان دے۔''[۷۲]

ہندو معاشرے میں بیوہ کی حالتِ زار

اب یہاں اُن حالات کا تذکرہ کرتے ہیں جو ایک ہندو بیوہ کے حصے میں آتے ہیں۔ہندو معاشرے میں ایک عام عورت کو انسانی حقوق نہیں دیے جاتے تو ایک بیوہ کی حالت کتنی دردناک ہوگی، اس کا اندازہ ایک عام شخص بھی آسانی سے لگا سکتا ہے۔اے ایل باشم ہندو بیوہ کی حالتِ زار کو بیان کرتے لکھتے ہیں:

''بیوہ بہت بدنصیب تصور کی جاتی تھی۔وہ ہر اعتبار سے درویشی کی زندگی بسر

کرتی تھی، زمین پر سوتی تھی اور دن بھر میں صرف ایک بار بہت سادہ کھاتی تھی، نہ اس میں شہد ہوتا تھا، نہ گوشت، نہ شراب اور نہ نمک۔وہ زیور بالکل نہیں پہنتی تھی اور رنگین کپڑے اور عطریات کا استعمال بھی نہیں کرتی تھی۔عہد وسطیٰ میں بیواؤں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے بال ترشوائیں۔ایک بیوہ کو یہ سخت زندگی اپنے آخری ایام تک بسر کرنا ہوتی تھی اور وہ بھی صرف اس امید میں کہ دوسری دنیا میں اس کی شادی اس کے سابق شوہر سے دوبارہ ہو جائے گی۔وہ اپنا وقت عبادت میں گزارتی تھی اور وہ اپنے شوہر کی طرف سے دوسرے مذہبی مراسم ادا کرتی تھی اور اگر اس نے اس پُر ریاضت زندگی کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی تو صرف یہی نہیں کہ اس کا دوسرا جنم بہت برا ہوگا بلکہ وہ اس طرح اپنے متوفی شوہر کی روح کے سکون کو بھی خطرے میں ڈال دے گی جو اپنی دوسری زندگی میں اپنی بیوی کی خطاؤں کا خمیازہ بھگت سکتا ہے۔''[۷۳]

گستاؤلی بان کے مطابق ہندو بیوہ کو انسان بھی نہیں سمجھا جاتا ہے یعنی اس حد تک گرا ہوا خیال کیا جاتا ہے۔اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''ہندو کا مرنا اس کی زوجہ کے لیے ایک ایسی مصیبت ہے جو ہر روز بڑھتی رہتی ہے۔وہ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی اور مرتے دم تک یہ مصیبت اسکے ساتھ رہتی ہے۔اس کا شمار انسانوں میں نہیں رہتا اور اسکی نظر منحوس سمجھی جاتی ہے اور جس چیز کو وہ ہاتھ لگاتی ہے نجس ہو جاتی ہے۔ذلیل اور خوار زندگی اس کو وبال ہو جاتی ہے۔اسے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خیال کو ناپاک کرنے یا ایک مصیبت اور تنہائی کی زندگی بسر کرے۔''[۷۴]

سَتی/شوہر کے ساتھ جل جانے کی رسم

ہندومت میں عورت کو بہت گھٹیا خیال کیا جاتا ہے اور ہندو بیوہ کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ خاوند کے مرنے میں اس بیچاری عورت کا عمل دخل ہے اور اس کو سزا دینے کے لیے اس کی زندگی کو موت سے بھی بدتر بنا دیا گیا ہے۔اس لیے وہ عورت روز روز مرنے سے بچنے کے لیے اپنے شوہر کے ساتھ جل جانے کو تیار ہو جاتی ہے۔بیوی کے شوہر کے ساتھ جل جانے کی رسم کو

"ستی" کا نام دیا گیا ہے۔

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بیوی کا شوہر کے ساتھ جل جانا اس بات کی علامت ہے کہ ہندو بیوی اپنے شوہر سے اتنی محبت کرتی ہے کہ وہ اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتی اور اسی لیے وہ اس کے مرنے کے ساتھ ہی خود بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ ہندو بیوہ شوہر کی محبت میں نہیں' بلکہ آنے والی جانوروں سے بھی بدتر زندگی سے نجات پانے کے لیے شوہر کے ساتھ ستی ہو جاتی ہے۔

"تمدنِ ہند" کے مصنف اس رسم کی قدامت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہ پتا نہیں لگتا کہ ستی کی رسم کس زمانے سے جاری ہے۔ منوشاستر میں اس کا ذکر مطلق نہیں ہے اور نہ وید میں ہے اگرچہ بہت دنوں بعد برہمنوں نے وید کی ایک رچا کے غلط معنی لگا کر اس کی قدامت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم سنِ عیسوی کے ماقبل کی ہے کیونکہ یونانی مصنفوں نے تین سو سال ق م اس کا ذکر کیا۔ ستی کی رسم ہند سے بالکل اٹھ گئی ہے اور صرف نیپال میں باقی ہے۔ اگرچہ بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو اس کے اٹھ جانے کا کوئی فائدہ ہوا کیونکہ بیواؤں کی حالت جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں' نہایت دردناک ہے اور ان میں سے بعض جنہوں نے نکاح ثانی کی ظاہری رسوائی کو گوارا کیا ہے' نہایت بری خیال کی جاتی ہیں۔"(۵۵)

"ول ڈیورانٹ" نے اس رسم کو جامع انداز میں بیان کیا ہے:

"ہند میں ستی کی رسم کو بھی بہت اہمیت حاصل تھی۔ ہیروڈوٹس نے اسے قدیم سیتھین اور ترا کی کی روایت قرار دیا۔ اگر ہم اس کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ ترا کیوں کی بیویاں اپنے شوہروں کی قبروں پر جان دینے کو باعثِ فخر سمجھتی تھیں۔ احتمال یہی ہے کہ یہ رسم دنیا بھر میں زمانہ قدیم کے اس قیاس کی وجہ سے چلی آئی ہے کہ شہزادوں اور امراء کی ایک یا دو بیویاں' ان کی داشتائیں' ان کے غلام' ان کے مرنے کے بعد ان کی خدمت کرنا جاری رکھیں گے۔ ارتھ وید کے مطابق یہ ایک قدیم رسم ہے جبکہ رگ وید اس کے بارے میں یہ نشاندہی کرتا ہے کہ ویدعہد میں صرف اسی پر اکتفا کیا گیا تھا کہ بیوہ جلنے سے پہلے صرف ایک لمحے

کے لیے اپنے شوہر کی چتا پر لیٹ جائے۔ مہابھارت میں بغیر کسی مذمت کے اس رسم کا دوبارہ سے احیا شروع کر دیا گیا۔ ہمیں اس میں بارہا ستی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مہابھارت میں اس قانون کا تذکرہ ملتا ہے کہ باوفا بیوہ اپنے شوہر کے بعد زندہ رہنے کے بجائے بڑے فخر سے اس کی چتا کی آگ میں کودنے کو ترجیح دیتی ہے۔ بیوہ کو گڑھے میں دھکیل کر جلانے یا جنوب میں تلگوؤں کے ہاں اسے زندہ درگور کرنے سے قربانی کو مزید قابلِ قبول قرار دیا گیا ہے۔ سٹرابو نے درج کیا ہے کہ "ہند میں سکندر اعظم کے آنے تک ستی کی رسم جاری تھی۔ پنجاب کے کیتھاری قبیلے میں شوہروں کو بیویوں کے ہاتھوں زہر دے کر مارنے سے بچانے کے لیے ستی کو باقاعدہ قانون بنا دیا گیا"۔ منو میں ستی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ برہمنوں نے پہلے پہل اس کی مخالفت کی مگر بعد میں مذہبی رنگ دیتے ہوئے اسے یہ کہہ کر اپنا لیا کہ یہ اصل میں شادی کی ابدیت سے وابستگی کا اظہار ہے۔ کسی مرد کے ساتھ ایک مرتبہ بیاہی گئی عورت ہمیشہ کے لیے اس کی ہو جاتی ہے اور اگلے جنموں میں بھی دونوں کا ملاپ ہوگا۔"(۵۶)

عورت کے ستی ہونے کا اصل سبب

جیسا کہ ہم نے ماقبل بیان کیا کہ ہندو عورت اپنے شوہر کے ساتھ اس کی محبت اور جانثاری کی وجہ سے نہیں جلتی تھی بلکہ اس کی وجہ وہ حالات اور مسائل ہیں جن کا ہندو بیوہ کو سامنا کرنا پڑتا ہے (جس کی تفصیل ہم ماقبل بیان کر چکے ہیں)۔ ہندو بیوہ کی زندگی جانور سے بھی بری ہو جاتی ہے اس لیے ہندو بیوہ اپنی زندگی کو شوہر کے ساتھ ہی ختم کر دیتی ہے تاکہ اس موت سے بدتر زندگی سے بچ سکے اور لمحہ مرنے کے بجائے ایک ہی دفعہ موت کو اپنے گلے لگا لے۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں:

"اب سمجھ میں آئے گا کہ ہندو عورت کی محبت اور جانثاری شوہر کے ساتھ کس درجہ پر ہے اور چونکہ یہ رسم صدیوں سے چلی آتی ہے' جانثاری اسکی فطرت کا جزء ہو گئی ہے۔ یہی اسباب ہیں جن سے ستی کی رسم قایم ہوئی اور قایم رہی اور جس رسم کی رو سے بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ جلنے پر مجبور ہیں۔ جس وقت اس اعلیٰ اور عیش کی زندگی کا جو بیوہ کو عالمِ بالا میں اپنے شوہروں کیساتھ نصیب ہوگا' اس

مصیبت اور ذلّت کی زندگی کا مقابلہ کیا جاوے جو اسے اس عالم میں کاٹنی پڑیگی تو بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ بیچاری بیوہ نہایت آمادگی اور جوش کے ساتھ اس طرح جان دینے پر راضی ہوجاتی تھی کہ اسکے گرد ایک مجمع ہوتا تھا جو دعائیں پڑھتا ہوا اور گاتا ہوا اور شاباش اور مرحبا کے نعروں سے رخصت کرتا تھا۔" [77]

آخر میں یہی مصنف اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو سب سے زیادہ اس کی مخالفت بھی عورتوں نے کی تاکہ وہ اس جانوروں والی زندگی سے بچ سکیں جہاں سانس بھی اپنی مرضی سے نہیں لیا جاسکتا تھا:

"جب حکومتِ انگریزی نے ستی کی رسم کو موقوف کیا تو اس ممانعت کی مخالفت عورتوں کی طرف سے ہوئی اور ایک مدت تک وہ خفیہ طور پر جانیں دیتی رہیں۔ باوجود جنگ بہادر کی کوششوں کے عورتوں ہی کی ممانعت نے اس رسم کو نیپال میں موقوف نہیں ہونے دیا۔" [78]

شاہ معین الدین ندوی بھی بیوہ کے ستی ہونے کی وجہ ان حالات کو قرار دیتے ہیں جو ہندو بیوہ کو پیش آتے ہیں:

"ہندوؤں کی اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی...... عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ عورت شوہر کی موت کے بعد دنیاوی لذات سے محروم کردی جاتی تھی اس لیے شوہر کے ساتھ ہی جل مرنے کو زندگی پر ترجیح دی جاتی تھی۔" [79]

مطلقہ/ بیوہ کا نکاحِ ثانی

تعدد ازدواج کے عنوان کے تحت یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرسکتا ہے۔ اب ہم یہاں سے عورت (مطلقہ/ بیوہ) کے نکاح ثانی کے متعلق ہندو قوانین کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہندو قوانین کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ویدوں میں عورت کے دوسرا بیاہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، مگر منو نے بیوہ اور مطلقہ کے بیاہ پر پابندی لگادی۔ منو کے نزدیک عورت صرف اس صورت میں دوسرا بیاہ کرسکتی ہے کہ اس کی صرف شادی کی رسومات ادا ہوئی ہوں اور مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اب اگر یہ بیوہ ہوجائے تو اس کے دوسرا نکاح کرنے پر

کوئی برائی نہیں ہے:

"عورت کے لیے قربانی اور بَرت کرنا گناہ ہے۔ صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے۔ کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔" [80]

دوسری طرف اگر ہم ویدوں کا مطالعہ کریں جس پر ہندو مذہب کی بنیاد ہے، تو پتا چلتا ہے کہ بیوہ اور مطلقہ کے دوسرا بیاہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، نہ مذہباً کوئی برائی ہے اور نہ معاشرتاً کوئی خرابی ہے۔ مثلاً رگ وید میں ہے:

"اے بیوہ عورت تجھ کو وید نصیحت کرتا ہے کہ پتی کے مرنے پر دوسرے مرد سے بیاہ کرکے اولاد پیدا کر۔" [81]

اسی طرح اتھر وید میں بھی بیوہ کو دوسرے بیاہ کی اجازت دی گئی ہے:

"جو عورت بیوہ ہوکر اپنے سُکھ کا مطالبے کرے تو وہ پتی کے مرجانے کے بعد دوسرے مرد سے بیاہ کرلے۔ وید اس کی اجازت دیتا ہے کہ نئے مرد سے بیاہ کرنے سے اپنی حفاظت کے لیے اور اولاد حاصل کرنے کے لیے دوبارہ شادی کرلے۔" [82]

ان عبارات سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ ہندو مذہب میں بیوہ کے نکاح پر کوئی پابندی نہیں ہے اور ستی کی رسم کا بھی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف لوگوں کی اختراعات ہیں۔

بیوہ کا بیاہ: منو اور ویدوں کی عبارات کا موازنہ

جان ڈی مین نے بڑے مفصل انداز میں ان دونوں عبارتوں کا موازنہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ منو کی عبارت میں کچھ کمی زیادتی کی گئی ہے یعنی منو کی عبارت تحریف شدہ ہے اس لیے اس سے استدلال کرکے بیوہ کی شادی کو ناجائز اور غیر مناسب کہنا ٹھیک نہیں ہے:

"عورتوں کے ازدواج ثانی (طلاق کی وجہ سے یا بیوہ ہونے سے) کی ممانعت نہ تو ہندو قانون پر مبنی ہے اور نہ ہندو رواج پر۔ ڈاکٹر میر نے ویدوں کی ان عبارتوں کا اقتباس کیا ہے جو بیوگان کی دوسری شادی کو جائز قرار دیتے ہیں اور

اناثِ ذیل کو قدیم مصنفین نے بہ صراحت اجازت دی ہے کہ دوسری مرتبہ شادی کر لیں: (الف) عورتیں جنہوں نے بہ وجوہ معقول شوہر کو چھوڑ دیا ہو۔ (ب) عورتیں جن کو ان کے شوہروں نے چھوڑ دیا ہو۔ (ج) عورتیں جن کے شوہر مر گئے ہوں۔ دوسری جانب منو کے اسناد زیادہ قوی ہیں' لیکن میرے خیال میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس خاص مدت میں (جیسا کہ متعدد اور صورتوں میں کیا گیا ہے) موجودہ عبارت میں یا تو کچھ بڑھایا گیا ہے یا کوئی چیز ترک کی گئی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ عبارت بھی مثل دوسری عبارتوں کے تحریف سے متاثر ہوئی ہے۔ منو اس کا اعلان کرتا ہے کہ صرف دوشیزہ سے شادی ہو سکتی ہے اور یہ کہ بیوہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔ البتہ اس نے ایسی لڑکی کو دوسری شادی کی اجازت دی ہے جس کا شوہر خلوت سے قبل مر گیا ہو۔ بہ ظاہر یہی ایک استثنائی صورت ہے جس میں اس نے اجازت دی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ متوفی دُلہا کے بھائی سے شادی کرے۔'' (۸۳)

مختلف قبائل و علاقہ جات میں عورت کے نکاحِ ثانی کا رواج

جان ڈی مین نے اپنی کتاب ''قانون و رواجِ ہنود'' میں ان قبائل اور علاقہ جات کا تذکرہ کیا ہے جو عورت کے دوسرے بیاہ کو برا خیال نہیں کرتے تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ بمبئی کی عدالتوں اور بنگال ہائیکورٹ نے ہندو بیوہ کے ازدواجِ ثانی کے حق کو متعدد بار تسلیم کیا ہے۔ آخر میں مصنف لکھتے ہیں:

''اعداد و شمار کو جانچنے کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ ہم غالباً بہت زیادہ غلطی پر نہ ہوں گے اگر ہم فرض کر لیں کہ تقریباً ساٹھ فیصد لوگ بیوگان کی شادی کے رواج پر عامل ہیں اور انہیں اجازت ہے۔'' (۸۴)

زنا اور اس کی سزا

دنیا کے تمام مذاہب میں مرد و عورت کا ناجائز تعلق حرام اور ممنوع ہے۔ مذہب اور قانون جرم کی نوعیت دیکھ کر اس کے لیے سزا بھی مقرّر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندومت میں بھی زانی کو برا خیال کیا جاتا ہے اور اسے سزا بھی دی جاتی ہے۔ وہ سزا کیا ہے؟ اس کو

جاننے سے پہلے ہم زنا کے بارے میں ہندومت کے دو عمومی قانون کو بیان کرتے ہیں جس کے بعد اس موضوع کو سمجھنا آسان ہو جائے گا:

قانون اول: زنا بالرضا کی کوئی سزا ہندومت میں نہیں ہے' البتہ زنا بالجبر ایک جرم ہے اور اس کی سزا ہندو مذہب اور ہندو قانون میں موجود ہے۔ منو زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کسی دوشیزہ کی مزاحمت کے باوجود جرم کا ارتکاب کرنے والا فوری جسمانی سزا کا مستحق ہے' لیکن اگر کوئی اپنی ہم ذات دوشیزہ کی رضامندی سے حظ اٹھاتا ہے تو جسمانی سزا کا حکم نہیں ہے۔'' (۸۵)

قانون ثانی: سزا دیتے وقت ذات کا لحاظ بھی رکھا جائے گا۔ اگر برہمن کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا ہے تو اسے جسمانی سزا نہیں دی جا سکتی' البتہ اسے جرمانہ وغیرہ کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ باقی تین یعنی کھشتری' ویش اور شودر میں سے کوئی زنا کا مرتکب ہوا تو اسے یا تو زندہ جلا دیا جائے گا یا پھر اس کا عضوِ تناسل (مخصوص مردانہ عضو) کاٹ دیا جائے گا۔ منو نے ایک اشلوک میں اس کی سزا کا بھی تذکرہ کیا ہے:

''جو ہم قوم وغیرہ خواہش نہیں کرتی اور مرد اس سے جماع کرتا ہے اس کو قطعِ عضوِ تناسل کی سزا دینی چاہیے' لیکن براہمن کو یہ سزا نہ دینا چاہیے کیونکہ اس کو بدنی سزا دینے کی ممانعت ہے اور جو شخص خواہش کرنے والی دختر ہم قوم سے جماع کرے وہ سزا قطعِ اعضاء نہ پاوے۔'' (۸۶)

منو دھرم شاستر کے ان اشلوکوں سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اگر فریقین راضی ہوں تو زنا جرم نہیں رہتا اور اس کی کوئی سزا بھی نہیں ہے' جبکہ زنا بالجبر کی صورت میں سزا موجود ہے اور اس میں بھی برہمن کو بدنی سزا نہیں دی جا سکتی۔

عورت کی سزا: اگر کوئی لڑکی اپنے سے اونچے ذات کے مرد سے زنا کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے اور اگر کسی نچلی ذات کے مرد سے زنا کرے گی تو تب اس کی سزا صرف اتنی سی ہے کہ اسے گھر میں قید کر دیا جائے۔ منو اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''کسی اونچی (ذات) کے (مرد) کی طرف راغب ہونے والی عورت پر کوئی

جرمانہ نہیں ہوگا لیکن جو نچلی (ذات) کے (مرد) کی طرف مائل ہوتی ہے اسے گھر میں پابند کردیا جائے گا۔''[87]

مرد کی سزا: اگر کوئی مرد اپنے سے اونچی ذات کی لڑکی سے زنا کرتا ہے تو اس کو یا تو قتل کردیا جائے گا یا پھر اس کے خاص اعضاء کو کاٹ دیا جائے گا' لیکن اگر اپنے سے نچلی ذات یا ہم ذات عورت سے زنا کرتا ہے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ منومہاراج لکھتے ہیں:

''جو اونچی ذات کی کنیا خواہش کرنیوالی یا نہ کرنے والی ہے' اس سے رذیل آدمی جماع وغیرہ کرنے والا تفاوتِ ذات کے سبب سے قطعِ اعضاء و قتل کے لائق ہوتا ہے اور خواہش کرنے والی ہم قوم کنیا کو کچھ دے کر اس سے جماع کرنے والا سزا کے لائق نہیں ہوتا اور اگر اس کنیا کا باپ راضی ہو تو اس کو کچھ معاوضہ دے کر شادی کرلے۔''[88]

سزا میں ذات کا اعتبار

ماقبل جو زنا کی سزا بیان کی گئی ہے یہ ہر شخص کے لیے نہیں ہے' بلکہ اس میں ذات کا اعتبار ہوتا ہے۔ مثلاً برہمن کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جاسکتی' شودر کو سب سے سخت سزا دی جاتی ہے' جبکہ کھشتری اور ویش کو شودر کی نسبت کم سزا دی جاتی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ ہندومت میں زنا صرف اس صورت میں جرم ہے جب کوئی دوسری ذات کی عورت سے زنا کرے اور ہم قوم عورت سے زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ عبدالقیوم جالندھری اپنی کتاب ''منو کا قانون اور اسلامی قانون'' میں لکھتے ہیں:

''ہندومت میں زنا صرف اس صورت میں جرم تھا اگر کوئی کسی چھوٹی ذات کا مرد اونچی ذات کی لڑکی سے مباشرت کرتا' لیکن جب ایک ہی ذات کے مرد و عورت یہ فعل کرتے تو جرم نہ تھا۔''[89]

☆ ہندو معاشرہ میں سب سے زیادہ پسنے والا طبقہ شودر ہے اور زنا کرنے کی صورت میں بھی سب سے زیادہ سخت سزا اسے ہی دی جاتی ہے۔ منو شودر کی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''(کسی کی حفاظت میں ہو یا اس کے برعکس) دوجنمی عورت سے مباشرت کے

ارتکاب کرنے والے شودر کو (مندرجہ ذیل) قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ اگر (عورت) کسی کی حفاظت میں نہیں تو شودر عضو سے محروم ہوجائے گا اور اس کی املاک ضبط۔ لیکن اگر وہ حفاظت میں ہے تو (شودر کی) ہر چیز (حتیٰ کہ جان بھی) جاسکتی ہے۔''[90]

☆ کھشتری اور ویش کو صرف جرمانہ کی سزا دینے کا حکم منو نے دیا ہے:

''کھشتری یا ویش کسی ایسی برہمن سے مباشرت کرتے ہیں جو حفاظت میں نہیں تو وہ ویش کو پانچ سو (پن) اور کھشتری کو ایک ہزار جرمانہ کریں۔ لیکن اگر برہمنی نہ صرف حفاظت میں (بلکہ کسی ممتاز شخص کی بیوی بھی ہے) تو ان کی سزا شودر کی سی ہوگی یا خشک گھاس کی آگ میں جلا دیا جائے گا۔''[91]

☆ برہمن کو جسمانی سزا نہیں دی جاسکتی' البتہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس لیے اس کو جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ منو برہمن کی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''محفوظ عورت کی طرف اس کی مرضی کے خلاف رجوع کرنے والے برہمن کو ایک ہزار پن جرمانہ ہوگا لیکن اگر عورت کی رضامندی شامل ہے تو جرمانہ ۵۰۰ پن ہوگا۔ برہمن کو موت کی سزا (کے بجائے) سر منڈوانے کی سزا کا حکم دیا گیا ہے' لیکن دوسری ذاتوں (کے مردوں) کو موت کی سزا بھگتنا ہوگی۔''[92]

شادی شدہ مرد و عورت کی سزا

اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا جیسے گندے فعل کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا موت ہے۔ مرد کو زندہ جلا کر اور عورت کو کتوں کے آگے ڈال کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جو عورت اپنے حسب و نسب کے گھمنڈ سے شوہر کو چھوڑ کر زنا کرے اس کو جیتے جی بہت عورتوں اور مردوں کے سامنے کتوں سے کٹوا کر مروا ڈالے۔ اسی طرح اپنی عورت کو چھوڑ کر دوسرے کی عورت سے خواہ رنڈی سے زنا کرے تو لوہے کے پلنگ کو آگ میں تپا کے اور سرخ کر کے اس پر اس گنہگار مرد کو سُلا کر بہت سے آدمیوں کے سامنے جلا دیوے۔''[93]

منومہاراج نے بھی اس قانون کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

''اوصاف کے غرور سے اپنے شوہر کو ترک کرنے والی عورت کو راجہ بہت آدمیوں کے روبرو کتوں سے بھوجن کروائے۔ دوسرے کی عورت مرقومہ بالا سے جماع کرنے والا آدمی لوہے کے گرم پلنگ پر سُلا کر چاروں طرف لکڑی رکھ کر آگ جلا دے جس سے پاپی جل جائے۔''(۹۴)

دوسری جگہ منو بیان کرتا ہے:

''اپنے خاوند سے جنسی بے وفائی کی مرتکب چاروں ذاتوں سے تعلق رکھنے والی عورت کو قتل کرنے پر ایک دھونکی' کمان' بکری یا بھیڑ (برہمن کو) دے تا کہ اس فعل کا کفّارہ ہو سکے۔''(۹۵)

عصمت فروشی کرنے والی خواتین سے زنا کرنے کی کوئی سزا نہیں

زنا کی سزا کے جتنے قوانین ما قبل بیان کئے گئے ہیں یہ صرف اس صورت میں ہے جب عورت اپنی عزت بیچنے والی یا گانے بجانے والی نہ ہو۔ اور اگر عورت ایسے شخص کی بیوی ہو جو خود اسے کسی سے زنا کرنے کا کہے اور بیوی کی عزت بیچ کر کمائی کرے تو اس صورت میں یہ سب قوانین لاگو نہیں ہوں گے اور نہ ہی کوئی سزا دی جائے گی۔ منو اس قانون کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس قاعدہ کا اطلاق نقلیوں اور گویّوں کی بیویوں پر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان (کی) بیویوں پر جن کا گزارا اپنی بیویوں کی کارگزاری پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے شخص اپنی بیویوں کو خود (دوسروں کے پاس) بھیجتے ہیں یا خود صرفِ نظر کرتے ہوئے انہیں مجامعت کی اجازت دیتے ہیں۔''(۹۶)

بعض موقعوں پر زنا مذہباً جائز ہے

ایک طرف تو ہندو قانون میں زنا کو صرف ایک آدھ صورت میں جرم قرار دے کر اس کی سزا مقرّر کی گئی ہے جبکہ دوسری طرف بعض موقعوں پر زنا کاری کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک' دیانند سوامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اب ان خود غرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بد اخلاقی گناہ نہ رہی۔ زنا کاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی

گئی بلکہ ایک خاص موقع ''بھیرویں چکر'' پر شراب خوری اور زنا کاری مذہباً فرض قرار دے دی گئی۔ اس موقع پر مرد وعورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادرزاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو' کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو' کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی' پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔ اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زنا کاری کے لیے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد عورت ''سماگم'' (ہم بستری) کرتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتہ کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔''(۹۷)

ارمغان وید میں بیان کیا گیا ہے کہ دیوالی کے موقع پر زنا جیسا فعل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے' بلکہ یہ دیوالی کا ایک حصہ ہے:

''جب لڑکی راضی ہو جائے تو اسے محفوظ مقام پر لے جاؤ۔ برہمن کے گھر سے آگ لاؤ اور کُش گھاس اس کے گرد بچھا دو۔ پھر دونوں مل کر اس آگ کی پوجا کرو اور اس کے گرد تین بار گھومو اور آگ کو گواہ بناؤ اور پھر صحبت کرو اور جا کر اپنے والدین کو بتا دو جو دوست احباب کو بتا دیں۔ اختلاف یا ناپسندیدگی کا کسی طرف سے اظہار ہو تو بزرگوں کو بیچ بچاؤ کر کے سب کو راضی کر لینا چاہیے۔''(۹۸)

زنا کا ایک واقعہ

پیر کرم شاہ نے ایک ہندو مذہبی رہنما کے زنا کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کو ذیل میں موضوع کی مناسبت سے ذکر کیا جا رہا ہے:

''ان کی مذہبی کتابوں میں مرقوم ہے کہ پراشسر جو بڑا زاہد اور پارسا تھا' وہ ایک دفعہ ایک کشتی میں سوار ہوا۔ اس کشتی میں ملاح کی بیٹی تھی جس نے اس کا دل لوٹ لیا۔ اس نے اس کو بہلانا پھسلانا شروع کیا تا کہ وہ اسے اپنے ساتھ مجامعت کرنے دے یہاں تک کہ وہ اس کام کے لیے رضامند ہو گئی۔ جب کشتی کنارے پر آ لگی تو وہاں کوئی اوٹ نہ تھی جس کے پردے میں وہ یہ قبیح حرکت کر سکیں۔ اسی وقت ایک بیل اُگی اور اتنی بڑھی کہ اس کے پردے میں انہوں

نے مجامعت کی۔اور اس زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام بیاس ہے جو ان کے نامور فضلاء میں شمار ہوتا ہے۔''[99]

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم

عیسائیت اور یہودیت کی طرح ہندومت میں بھی یہ قانون تھا کہ اگر کوئی شخص کسی لڑکی سے جبراً زنا کرلے تو وہ اس عورت کا شوہر تصور کیا جائے گا اور اس لڑکی سے ہونے والی اولاد کا نسب بھی اس مرد سے ثابت ہوگا اور یہ مرد اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہ صرف قانون کی حد تک نہیں ہے بلکہ ہندو معاشرے میں اسے شادیوں کی قسموں میں سے ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔

اس قسم کی شادی کو ہندو معاشرے اور مذہبی کتابوں نے ''پیشاچ'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کا تذکرہ تقریباً ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں نے کیا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسی شادی ہندوؤں میں رائج ہے۔دیانند سرسوتی نے بھی اس بیاہ کا ذکر کیا ہے:

''سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر پاگل ہوئی لڑکی سے بالجبر مجامعت کرنا ''پیشاچ وواہ'' کہلاتا ہے۔''[100]

ڈاکٹر سید حامد حسین اس شادی کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے گھٹیا وہ شادی ہے جسے کرنا اس وجہ سے ضروری ہو کہ کوئی شخص کسی عورت کی عزت پر اس کی رضامندی کے بغیر ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے جب وہ سو رہی ہو، نشے میں ہو یا وہ دماغی خلل کا شکار ہو۔اس قسم کی شادی کو اس بنا پر جائز تسلیم کرلیا گیا کہ مظلوم عورت کو بیوی کا درجہ حاصل ہو اور اس کی اولاد کو جائز قرار دیا جائے۔''[101]

''ارمغانِ وید'' کی عبارت اس بارے میں پختہ ثبوت پیش کرتی ہے:

''جب لڑکے اور لڑکی میں محبت پیدا ہوجائے، مگر لڑکی ہچکچاتی ہو تو لڑکے کو چاہیے کہ دیوالی کے موقعہ پر لڑکی کو نشہ آور شراب پلا کر کسی کونے میں لے جائے اور اس سے صحبت کرلے۔پھر آگ کے آگے آکر اعلان کردے کہ دونوں نے شادی کرلی ہے اور پھر دونوں باقی رسوم ادا کریں۔''[102]

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کے لزوم کا سبب

مختلف مذہبی کتابوں کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زنا بالجبر بھی شادی کی ایک قسم ہے جو ہندو معاشرے میں رائج ہے۔اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس مظلوم عورت کو عزت مل سکے اور اس کی اولاد کو باپ کا نام مل سکے اور جس لڑکی کی عصمت دری ہوجائے اس کو عزت دینے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اسے اس زانی شخص کی بیوی بنا دیا جائے۔منو نے اپنی کتاب ''منودھرم شاستر'' میں شادی کے لیے عورت کا کنوارا ہونا ضروری قرار دیا ہے:

''شادی کے ان قوانین کا اطلاق فقط کنواریوں پر ہوتا ہے۔کنوارپن کھو بیٹھنے والیوں کے لیے مردوں پر ان قوانین کی پابندی ضروری نہیں اس لیے کہ ایسی (عورتیں) مذہبی رسوم سے خارج ہیں۔شادی کے قوانین اسی امر مسکت کا ثبوت ہیں (کہ کنواری کو قانونی) بیوی بنایا جارہا ہے۔لیکن فاضلوں کو علم رہے کہ (شادی کی) رسم اگنی کے گرد ساتویں چکّر پر مکمل ہوتی ہے۔''[103]

شادی بیاہ کی اقسام

منو نے نسلِ انسانی کو صفات کے لحاظ سے آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے کیونکہ ویدوں کے ذریعہ انسان برہمن، کھشتری، ویش، شودر، اُسر، گندھرو، راکشس اور پشاچ جیسے صفات کے حامل ہونے سے آٹھ قسم کا ہے۔یہ تقسیم نسلِ انسانی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ہر انسان جو روئے زمین پر موجود ہے وہ ان آٹھ درجوں میں سے کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہوگا اور انسانوں میں بیاہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

انسان کی اس تقسیم کی وجہ سے بیاہ کو بھی ہندو دھرم نے آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے، جن کو ہندو دھرم کی تمام مذہبی و غیر مذہبی کتابوں نے بیان کیا ہے۔مثلاً دیانند سرسوتی نے ان آٹھ قسموں کو اپنی کتاب[104] میں بیان کیا ہے:

① براہم: دلہا اور دلہن دونوں باقاعدہ مجرد رہ کر کامل تعلیم یافتہ، احکام شریعت کے پابند اور نیک سیرت ہوں۔ان کا باہم رضامندی سے نکاح کیا جائے گا اسے ''براہم وواہ'' کہتے ہیں۔

② **دیو:** لڑکی کو زیوروں سے آراستہ کر کے کسی بڑی یگیہ میں رتوک کا کام کرتے ہوئے داماد کے سپرد کر دینا ''دیو وواہ'' کہلاتا ہے۔

③ **آرش:** دلہا سے کچھ لے کر شادی کرنا ''آرش وواہ'' کہلاتا ہے۔

④ **پرجاپت:** دھرم دین کی ترقی کو مدنظر رکھ کر شادی کرنا ''پرجاپت وواہ'' کہلاتا ہے۔

⑤ **آشر:** دلہا اور دلہن کو کچھ دے کر شادی کرنا ''آشر وواہ'' کہلاتا ہے۔

⑥ **گاندھرب:** بغیر کسی قاعدہ یا موقعہ کے کسی لڑکے لڑکی کے آپس میں مجامعت ہو جانا ''گاندھرب وواہ'' کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

⑦ **راکشس:** جنگ کے ذریعے زبردستی یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا ''راکشس وواہ'' کہلاتا ہے۔

⑧ **پیشاج:** سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر پاگل ہوئی لڑکی سے بالجبر مجامعت کرنا ''پیشاج وواہ'' ہے۔

نیوگ: اولاد حاصل کرنے کا ناجائز طریقہ

دنیا کے تمام مذاہب (چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی) میں ہندومت ہی ایک ایسا نرالا مذہب ہے جس کے دو فرقے مرد و عورت کو زنا کی زبردست ترغیب دلاتے ہیں اور زنا کا یہ انوکھا تعلق نہ مذہباً حرام ہے اور نہ قانوناً جرم ہے' بلکہ مذہب اور قانون اس کی پشت پناہی کرتے ہیں اور اس کے کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

زنا کے اس ناجائز تعلق کو ہندو اصطلاح میں ''نیوگ'' کا نام دیا گیا ہے' جس کی عام فہم تعریف یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں اولاد نہیں ہوتی یا اس کا شوہر مر گیا ہے تو وہ عورت اپنے دیور یا کسی اور رشتے دار سے صحبت کر کے اولاد حاصل کر سکتی ہے' مگر وہ اولاد پہلے خاوند کی شمار ہو گی نہ کہ نیوگ کرنے والے کی۔

نیوگ کا تذکرہ تقریباً تمام ہندو مذہبی کتابوں کیا گیا ہے مثلاً منوسمرتی میں ہے:

''اگر اولاد نہ ہو تو اپنے خاندان کے بزرگوں سے اجازت لے کر مالک (خاوند) کے خاندان کے رشتہ دار یا دیور سے اولاد پیدا کرے۔''(۱۰۵)

دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد یا دائم المرض کی عورت سے نہ رہا جائے تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لیے اولاد پیدا کرے۔''(۱۰۶)

محمد برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں:

''اگر مرد میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو عورت اپنے خاندان کے بزرگوں سے اجازت لے کر مالک (خاوند) کے خاندانی رشتے دار یا دیور سے اولاد پیدا کرے اور اس طریقے کو ''نیوگ'' کہتے ہیں اور اس طرح عورت میں ماں بننے کی صلاحیت نہ ہو تو خاوند اپنے باپ کے حکم سے بیوہ عورت سے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔''(۱۰۷)

نیوگ زنا نہیں ہے

نیوگ کی تعریف سے یہی سمجھ آتا ہے کہ یہ زنا اور اولاد حاصل کرنے کا ایک ناجائز طریقہ ہے' مگر ہندو محقّقین اسے نہ تو زنا خیال کرتے ہیں اور نہ ہی اسے گناہ مانتے ہیں:

''جیسے بغیر بیاہے لوگوں کی (مجامعت) زنا کاری ہوتی ہے ویسے ہی جو نیوگ شدہ نہیں ان کی (مجامعت) زنا کاری کہلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسا قواعد کے مطابق بیاہ ہونے پر زنا کاری نہیں کہلاتی تو باقاعدہ نیوگ ہونے پر زنا کاری نہ کہی جائے گی۔''(۱۰۸)

نیوگ سے حاصل ہونے والی اولاد کی تعداد

نیوگ سے حاصل ہونے والی اولاد کی تعداد بھی مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد عورت سے دس بچے پیدا کر سکتا ہے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے:

''اے دیریہ (نطفہ) عطا کرنے والے اصلی خاوند! تو اس بیاہتا عورت کو رتو دان (ہم بستری) سے با امید کر اور اس کو صاحبِ اولاد اور ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ سکھ سے بہرہ ور کر۔ اس بیاہتا عورت سے دس اولاد پیدا کر لے اس سے زیادہ ہرگز پیدا نہ کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشور نے مرد کو صرف دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت دی ہے۔''(۱۰۹)

نیوگ کے فوائد

دیانندسرسوتی نے نیوگ کے فوائد کا بھی تذکرہ کیا ہے:

''اس سے زنا کاری کا کم ہونا' محبت سے عمدہ اولاد ہو کر انسانوں کی ترقی ہونا ممکن ہے اور حمل کا اسقاط کرانا بالکل بند ہو جاتا ہے۔ رذیل مردوں سے اعلیٰ عورت اور رنڈی وغیرہ سے اعلیٰ مردوں کی زنا کاری' اعلیٰ خاندان کا کلنک اور نسل کا قطع ہونا۔ عورت مردوں کی تکلیف اور اسقاطِ حمل وغیرہ۔ بدفعلیوں کا بیاہ' نیوگ سے دفعیہ ہو جاتا ہے اس لیے نیوگ کرنا چاہیے۔''(۱۱۰)

خلاصۂ بحث

ہندومت جو ایک غیر آسمانی مذہب ہے' دراصل مختلف رسوم و رواج اور ایک خاص طرزِ زندگی کا نام ہے۔ اس میں شادی بیاہ کے بارے میں اگرچہ مفصل ہدایات ملتی ہیں' مگر ان کے قوانین ایسے پیچیدہ اور مشکل ہیں کہ ہندو عالم بھی ان کو سمجھنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ ہندومت میں شادی بیاہ کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① عورت کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ مرد کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس کا کام مرد کو راحت دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہندو معاشرہ میں عورت کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ شادی سے پہلے وہ باپ کی محکومیت میں ہوتی ہیں اور باپ جس سے چاہے اسے بیاہ دے۔ شادی بیاہ جیسے اہم معاملے میں بھی اس کو حق رائے دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ شادی کے بعد شوہر اس کا مالک بن جاتا ہے اور بیوہ ہونے کی صورت میں ایک طرف جانوروں سے بھی بدتر زندگی ہوتی ہے اور دوسری طرف ستی یعنی شوہر کے ساتھ جل جانے کا موقع۔

② شادی بیاہ کے ایسے ایسے طریقے ہندو معاشرہ میں رائج ہیں جو زنا سے بھی گھٹیا ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نیوگ کی صورت میں ناجائز اولاد حاصل کرنے کا طریقہ بھی ان میں رائج ہے اور مشترکہ بیویوں کا طریقہ بھی اس ہندو معاشرہ کی پہچان ہے۔

③ ایک طرف مرد کو تعدد ازدواج کی بغیر کسی حد بندی کے اجازت دی گئی ہے جبکہ

دوسری طرف عورت بیچاری کو شوہر کے مرنے کے بعد بھی دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے' حالانکہ ہندو مذہب عورت کی دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے۔

④ زنا کے بارے میں تو ان کے قوانین جنگل کے قوانین کی طرح ہیں کہ ہندو معاشرہ میں طاقتور اور اعلیٰ ذات کا مرد و عورت زنا کریں تو ان کے لیے کوئی سزا نہیں ہے اور اگر کم ذات مرد و عورت زنا کریں تو ان کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے۔

⑤ ہم نے اس مضمون میں تفصیلاً یہ بیان کیا کہ ہندو معاشرہ نے جواز دواجی قوانین اور رسم و رواج بنائے ہیں وہ ان کے مذہب کے بھی خلاف ہیں۔ ہندو مذہب اور ہندو معاشرہ دونوں مخالف سمتوں میں چلتے نظر آ رہے ہیں۔

الغرض ہندو مذہب اور معاشرہ کے جتنے بھی ازدواجی قوانین ہیں وہ سب ہی افراط وتفریط کا شکار ہیں اور ہندو معاشرہ میں رہنے والے لوگ بھی ان قوانین سے عاری نظر آتے ہیں۔

حواشی (باب دوم)

① منوسمرتی' باب ۵: ۴۵۔
② روزنامہ نوائے وقت' ۵ نومبر ۱۹۸۸ء۔
③ منوسمرتی' ادھیائے ۳' اشلوک ۱۴۔۱۳' ص ۳۹۔
④ منوسمرتی' ادھیائے ۳' اشلوک ۱۵' ص ۴۰۔
⑤ منوسمرتی' ادھیائے ۳' اشلوک ۵' ص ۳۸۔
⑥ ستیارتھ پرکاش' ص ۱۰۱۔۱۰۲۔
⑦ ستیارتھ پرکاش' ص ۱۰۲۔۱۰۳۔
⑧ سنسکار ودھی' ص ۱۰۱۔
⑨ منودھرم شاستر' باب ۳' اشلوک ۸۔
⑩ ستیارتھ پرکاش' ص ۱۰۳۔۱۰۴۔

(۱۱) قانون ورواج ہنود'ص۱۵۰۔

○ پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا'ص۸۲۔

(۱۲) ایضاً'ص۸۷۔

(۱۳) ایضاً'ص۸۰۔

(۱۴) ایضاً'ص۸۱۔

(۱۵) ایضاً'ص۸۲۔۸۳۔

(۱۶) منودھرم شاستر' باب۹'اشلوک۹۹۔

(۱۷) پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا'ص۸۸۔

(۱۸) ایضاً'ص۸۴۔۸۵۔

(۱۹) ستیارتھ پرکاش'ص۱۰۴۔

(۲۰) منوسمرتی'ادھیائے۹'اشلوک۹۳'ص۱۸۴۔

(۲۱) ہندوستانی تہذیب کی داستان'ص۲۴۱۔

(۲۲) ایضاً'ص۲۴۲۔

(۲۳) قانون ورواج ہنود'ص۱۳۹۔۱۴۰۔

(۲۴) ہندوستانی تہذیب کی داستان'ص۲۴۲۔

(۲۵) ستیارتھ پرکاش'ص۱۰۵تا۱۰۷۔

(۲۶) قانون ورواج ہنود'ص۱۴۰۔

(۲۷) ایضاً۔

(۲۸) ستیارتھ پرکاش'ص۱۰۷۔

(۲۹) منودھرم شاستر' باب۵:۱۴۹'ص۱۳۳۔

(۳۰) تمدن ہند'ص۴۶۹۔

(۳۱) تاریخ تمدن ہند'ص۵۷۔

(۳۲) سنسکار ودھی'ص۳۴۷۔

(۳۳) ایضاً'حاشیہ ص۳۴۷۔

(۳۴) ایضاً'ص۳۴۷۔۳۴۸۔

(۳۵) ہندوستانی تہذیب کی داستاں'ص۲۴۳۔

(۳۶) سنسکار ودھی'ص۳۶۴تا۳۶۸۔

(۳۷) ایضاً'حاشیہ'ص۳۶۸۔

(۳۸) ہندوستانی تہذیب کی داستاں'۲۴۳۔

(۳۹) سنسکار ودھی'ص۳۷۷۔

(۴۰) سنسکار ودھی'ص۳۹۷۔

(۴۱) ایضاً'ص۴۰۲۔

(۴۲) ایضاً'ص۴۰۱۔

(۴۳) سنسکار ودھی'حاشیہ ص۴۰۸۔

(۴۴) ایضاً'ص۴۰۸۔

(۴۵) ہندوستانی تہذیب کی داستاں'ص۲۴۳۔

(۴۶) سنسکار ودھی'ص۴۱۰۔

(۴۸) پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا'ص۱۰۰۔۱۰۱۔

(۴۹) سنسکار ودھی'ص۴۱۸۔

(۵۰) ص۹۳تا۱۰۲۔

(۵۱) کتاب الہند'ص۳۴۶۔

(۵۲) شادی ایک مطالعہ'ص۱۸۱۔

(۵۳) ارمغان وید'ص۱۳۶۔۱۳۷۔

(۵۴) کتاب الہند'ص۳۴۶۔۳۴۷۔

(۵۵) ستیارتھ پرکاش'باب۴'ص۱۴۳۔

(۵۶) ایضاً'ص۱۴۳۔

(۵۷) تمدنِ ہند'ص۲۴۵۔

(۵۸) قانون ورواجِ ہنود'ص۱۴۲۔

(۵۹) مسلم ثقافت ہندوستان میں'ص۲۹۔

(۶۰) ضیاء النبی ﷺ جلد اول'ص۲۲۵۔

(۶۱) تاریخ ہندوستان'ص۳۴۶۔

(۶۲) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۲۲۵۔

(۶۳) ارمغان وید، ص ۱۳۷۔

(۶۴) ارمغان وید، ص ۱۳۷۔

(۶۵) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۱۹۴۔

(۶۶) قانون ورواجِ ہنود، ص ۹۵۔

(۶۷) ارمغانِ وید، ص ۱۳۷۔

(۶۸) قانون ورواجِ ہنود، ص ۹۵۔

(۶۹) ارمغان وید، ص ۱۳۷۔

(۷۰) منوسمرتی، باب ۵، ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

(۷۱) تاریخِ ہندوستان، ص ۳۰۴۔

(۷۲) تاریخ تمدنِ ہند، ص ۱۲۳۔

(۷۳) ہندوستانی تہذیب کی داستان، ص ۲۷۰۔

(۷۴) تمدن ہند، ص ۴۷۰۔

(۷۵) ہندوستانی تہذیب کی داستان، ص ۲۷۱۔

(۷۶) ہندوستان، ص ۱۲۶۔

(۷۷) تمدن ہند، ص ۴۷۰۔

(۷۸) ایضاً، ص ۴۷۱۔

(۷۹) تاریخ اسلام، جلد ۱، ص ۹۔

(۸۰) منوسمرتی، باب ۵، ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

(۸۱) رگ وید، ادھیائے ۸، اشٹک ۳، ورگ ۲۷، منتر ۱۴۔

(۸۲) اتھروید، کانڈ ۱۸، اندک ۳، واگ منتر ۱۔

(۸۳) قانون ورواج ہنود، ص ۱۴۲۔۱۴۳۔

(۸۴) قانون ورواج ہنود، ص ۱۴۷۔

(۸۵) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۵۶، ص ۲۰۰۔

(۸۶) ایضاً، باب ۸، اشلوک ۳۶۴، ص ۲۰۰۔

(۸۷) ایضاً، باب ۸، اشلوک ۳۵۷، ص ۲۰۱۔

(۸۸) منومہاراج، منوسمرتی، ادھیائے ۸، اشلوک ۳۵۸، ص ۲۰۰۔

(۸۹) منو کا قانون اور اسلامی قانون، ص ۴۷۔

(۹۰) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۶۶، ص ۲۰۱۔

(۹۱) منودھرمشاستر، باب ۸، اشلوک ۳۶۸۔۳۶۹، ص ۲۰۲۔

(۹۲) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۷۰۔۳۷۱، ص ۲۰۲۔

(۹۳) ستیارتھ پرکاش، ص ۲۲۴۔

(۹۴) منوسمرتی، ادھیائے ۸، اشلوک ۳۷۱۔۳۷۲، ص ۲۷۱۔

(۹۵) ایضاً، ادھیائے ۱۱، اشلوک ۱۳۹، ص ۲۶۶۔

(۹۶) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۵۵، ص ۲۰۰۔

(۹۷) مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۲۲۶۔۲۲۷۔

(۹۸) ارمغان وید، ص ۱۴۵۔

(۹۹) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۱۹۳۔

(۱۰۰) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۱۷۔

(۱۰۱) ہندو فلسفہ مذاہب اور نظام معاشرت، ص ۶۰۔۵۹۔

(۱۰۲) ارمغان وید، ص ۱۴۵۔

(۱۰۳) منودھرم شاستر، اشلوک ۲۲۷۔۲۲۶۔

(۱۰۴) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۱۷۔

(۱۰۵) منوسمرتی، ادھیائے ۹، اشلوک ۵۸، ص ۱۸۱۔

(۱۰۶) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۳۰۔

(۱۰۷) معاشرتی مسائل، ص ۸۴۔

(۱۰۸) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۴۶۔

(۱۰۹) رگ وید، مترجم نہال سنگھ، ص ۱۴۷۔

(۱۱۰) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۴۷۔

باب سوم

یہودیت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

یہودیت میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

یہودیت کا شمار دنیا کے ان مذاہب میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف عقائد و نظریات ہی پیش نہیں کیے' بلکہ ان کی بنیاد پر زندگی کے عملی مسائل سے بھی تفصیلی بحث کی ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ لہٰذا اس مذہب اور اس کے پیروکاروں سے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ صحیح اور فطرتی طور پر مرد و عورت کے تعلقات کو متعین کریں گے اور افراط و تفریط سے کنارہ کش رہیں گے' لیکن افسوس کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے اور باقی معاملات کی طرح شادی بیاہ کے معاملات میں بھی افراط و تفریط سے نہ بچ سکے۔

یہودیت ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات و تعلیمات سے نوازا گیا' لیکن ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور ان میں تحریفات کرڈالیں۔

یہودیت کے ازدواجی نظام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں عورت کا مقام نہایت پست ہے اور اس کی وجہ خود ساختہ نظریہ ہے کہ حضرت حوّا نے حضرت آدمؑ کو ممنوعہ پھل کھانے پر اُکسایا اور اسی وجہ سے وہ جنت سے نکالے گئے۔ اسی کی وجہ سے عورت کو مرد کی غلامی' حیض جیسی ناپاکی اور حمل کے درد کی سزا ملی۔ کتاب مقدس میں ہے:

''میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا۔ تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔''①

''تمدّنِ عرب'' میں یہودی معاشرہ میں عورت کی حیثیت ان سخت الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

''گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے اور عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔''②

جس مذہب اور معاشرہ میں عورت کو اس نگاہ سے دیکھا جاتا ہو تو اس میں بیوی کو کیا حقوق حاصل ہوں گے' اس کا اندازہ اس بات سے ہوجائے گا کہ بیوی کا کام خاوند کی خدمت کرنا اور اولاد پیدا کرنا ہے۔ اگر کسی کے ہاں کئی سال تک اولاد نہ ہو تو وہ بلاجھجک دوسری شادی کرسکتا ہے اور اس کام کے لیے اسے اپنی بیوی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''بیویاں کرو تاکہ تم سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوں اور اپنے بیٹوں کے لیے بیویاں لاؤ اور اپنی بیٹیاں شوہروں کو دو تاکہ ان سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوں اور تم پھلو پھولو اور کم نہ ہو۔''③

نکاح کے قانون کی طرح طلاق کا قانون بھی یہودی روایات میں عورت کی مظلومیت کی داستاں سناتا ہے۔ یہودی مرد جب چاہتے چھوٹی سی لغزش پر طلاق دے دیتے اور ان کو یہ حق مذہب نے دیا تھا۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

''یہودیوں کو ان کے مذہبی تعلیمات کے ذریعے سے یہ حقوق حاصل ہیں کہ وہ جب چاہیں ایک ادنیٰ سی لغزش پر عورت کو گھر سے نکال باہر کرسکتے ہیں۔''④

اگر کسی عورت کا شوہر مرجاتا تو اسے دوسری شادی کا حق تو تھا' مگر صرف اپنے شوہر کے بھائی سے۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور سے شادی نہیں کرسکتی تھی اور اسے اس شادی پر مجبور کیا جاتا تھا۔

یہودیت میں تعدّدِ ازدواج کی اجازت بھی تھی' لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ ایک مرد جتنی چاہتا شادیاں کرسکتا تھا۔ سید امیر علی لکھتے ہیں:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے پہلے بنی اسرائیل کے یہاں تعددِ ازدواج کا دستور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قائم رہنے دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی کوئی حد مقرّر نہ کی کہ ایک یہودی مرد بیک وقت کتنی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا تھا۔''⑤

منگنی کا تصور

یہودیت میں بھی منگنی کا تصور پایا جاتا ہے اسی لیے یہودیت میں بھی شادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک منگنی اور ایک مکمل شادی۔ منگنی شادی کے اعلان کے طور پر استعمال کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ان کی شادی عنقریب ہونے لگی ہے۔

Jewish Encyclopedia میں ہے:

> According to Jewish practice since early times, there are two stages in the marriage ceremony: betrothal and M.Betrothal (erusin or kiddushin) is the ceremony whereby a woman becomes the wife of betrother (betrothed), so that she may be married to no one else (unless her husband die or divorce her).[6]

''یہودی معاشرہ کے مطابق شروع سے ہی شادی کے دو مراحل ہیں: betrothal یعنی منگنی اور M.betrothal یعنی شادی۔ یہ وہ تقریب ہے جب ایک عورت اپنے منگیتر کی بیوی بنتی ہے اور پھر وہ عورت (اپنے شوہر کے مرنے یا طلاق کے بغیر) کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔''

یہودیوں میں منگنی تین قسم یا تین طریقوں سے ہوتی ہے:

① ایک منگنی یہ ہوتی ہے کہ لڑکا منگنی کے طور پر لڑکی کو کچھ رقم دے دیتا ہے اور یہ رقم علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ ان کی آپس میں منگنی ہو گئی ہے اور یہ اب قانوناً ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔ زیادہ تر اس قسم کی منگنی میں پیسے کے بجائے انگوٹھی دی جاتی ہے جو منگنی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

② منگنی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی آپس میں ایک معاہدہ کر کے لکھ لیتے ہیں اور یہ لکھا ہوا معاہدہ ان کی منگنی کی علامت ہوتا ہے۔

③ منگنی کا تیسرا طریقہ یہودی معاشرہ میں بہت کم پایا جاتا ہے اس میں لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ جنسی میل ملاپ کر لیتے ہیں اور یہی ان کی منگنی شمار ہوتی ہے۔

> The Mishna describes three ways of contracting betrothal (tractate Kiddushin 1:1): 1. With money (as when a man hands a woman an object of value, such as a ring or a coin, for the purpose of contracted marriage, and in the presence of two witnesses, and she actively accepts); 2. Through a shtar, a contract containing the betrothal declaration phrased as "through this contract"; or 3. By sexual intercourse with the intention of creating a bond of marriage, a method strongly discouraged by the rabbinic sages and intended only for levirate marriages.[7]

''مشنا نے منگنی کے تین طریقے بیان کیے ہیں: ① پیسے کے ذریعے (جب ایک مرد کسی عورت کو دو گواہوں کے سامنے کوئی قیمتی چیز مثلاً انگوٹھی یا پیسے شادی کے معاہدہ کے طور پر دیتا ہے اور وہ عورت اسے قبول کر لیتی ہے۔) ② معاہدہ کے ذریعے اور یہ معاہدہ ان کی منگنی کی علامت ہوتا ہے۔ ③ جنسی میل ملاپ کے ذریعے یعنی اس نیت سے جنسی میل ملاپ کرنا کہ یہ شادی کا معاہدہ ہے۔ اس طریقہ کو سمجھ دار راہب اچھا خیال نہیں کرتے اور یہ صرف صلہ رحمی کی شادی میں ہی مستعمل ہے۔''

Jewish Encyclopedia میں بھی منگنی کے ان تینوں طریقوں کو بیان کیا گیا ہے:

> This ceremony must take place before witnesses and legally may be performed in one of three ways: (1) By money: i.e. the betrother gives the woman a symbolic sum or its equivalent as a token of betrothal. (2) By deed: i.e. the betrother gives the woman a document conforming the betrothal in writing. (3) By intercourse: the betrother enters a private chamber with the woman informing witnesses beforehand that the intercourse which will be take place is to be considered an act of betrothal.[8]

''یہ تقریب گواہوں کے سامنے اور تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے

منعقد ہوتی ہے: ① پیسے کے ذریعے۔ یعنی منگیتر عورت کو پیسے یا کوئی قیمتی چیز منگنی کی علامت اور یادگار کے طور پر دیتا ہے۔ ② معاہدہ کے ذریعے۔ یعنی منگیتر عورت کو معاہدہ کے لکھے ہوئے کاغذ منگنی کے طور پر دیتا ہے۔ ③ جنسی میلاپ کے ذریعے۔ یعنی منگیتر عورت کو ایک الگ کمرہ میں جنسی میل ملاپ کے لیے لے جاتا ہے اور گواہوں کو پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ یہ میل ملاپ جو ہمارے درمیان ہونے والا ہے وہ منگنی کے طور پر ہے۔''

Jewish Encyclopedia میں منگنی کے ان تینوں طریقوں کو بیان کر کے ان پر خوبصورت انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ ان تین طریقوں میں سے آخری طریقہ کو تو قدیم یہودی علماء نے ناجائز قرار دیا ہے اور دوسرا طریقہ یہودی معاشرہ میں بہت کم پایا جاتا ہے اور یہودی معاشرہ میں پہلا طریقہ ہی زیادہ تر رائج ہے کہ انگوٹھی یا رقم کے ذریعے کسی سے منگنی کرنا:

Early teachers disapproved of this last manner of betrothal and it is not found as a Jewish practice. The second manner of betrothal is very rare nowadays. The most common manner today, as always, is the first mentioned. Betrothal is performed by the man, but has no validity unless the woman gives her consent.[9]

''قدیم یہودی علماء نے شادی کے آخری طریقہ کو قبول نہیں کیا اور یہ یہودیوں میں رائج نہیں ہے۔ شادی کا دوسرا طریقہ بھی آج کل بہت کم ہے۔ آج کل اور ہمیشہ سے پہلا طریقہ ہی رائج ہے۔ شادی میں زیادہ کردار مرد ہی کا ہے لیکن عورت کی رضامندی کے بغیر اس شادی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

شادی کی عمر

شادی کی کم از کم عمر کیا ہونی چاہیے؟ اس بارے میں کوئی واضح ثبوت یہودیت میں نہیں ملتا، البتہ تالمود کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے لیے کم از کم عمر ۱۲ سال ہونی چاہیے۔ مولانا ظفیر الدین یہودیت کے قانونِ ازدواج کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہودی قانون میں ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہوگا۔''[10]

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں شادی کی کم از کم عمر ۱۲ سال ہے اور اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کا بیاہ اس عمر میں نہیں کرتا تو اس کے گناہ کے ذمہ دار لڑکی کے والدین بھی ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ کفو پانے کے باوجود اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی یعنی بدکاری وغیرہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔''[11]

لڑکی کی عمر کا تو پتا چل گیا کہ کم از کم بارہ سال کی لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے جبکہ مرد کی عمر کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی شادی کی نارمل عمر ۱۸ سال ہے:

''عدالت ہر مرد کو جس کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ ہو جائے، شادی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ ''تالمود کے احکامات'' میں مرد کی شادی کی نارمل عمر ۱۸ سال اور عورتوں کی ۱۳ سال مقرر کی گئی ہے، لیکن یہودیوں کے ہاں عملاً شادیاں اس سے کم عمر میں بھی ہوتی رہی ہیں۔ تیرہویں صدی میں یہودی لڑکیوں کی شادیاں بلوغت سے پہلے کر دی جاتی تھیں اور سترہویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں دُلہا دس سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچتا تھا کہ اس کی شادی ہو جاتی تھی اور دلہن کی عمر اس سے بھی کم ہوتی تھی۔''[12]

شادی کا اجمالی خاکہ

رشید احمد نے اپنی کتاب ''تاریخِ مذاہب'' میں یہودیوں کی شادی کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے اسے ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

''یہودیوں میں شادی کا طریقہ بہت سادہ اور دلچسپ ہے۔ منگنی کا اعلان شادی سے پہلے کر دیا جاتا ہے۔ شادی کے دن روزہ رکھنے کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ شادی

کی رسم سہ پہر کو مجلس میں ادا کی جاتی ہے، جس میں کم از کم دس بالغوں کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ مجلس کی عمارت میں ایک ریشمی کپڑے کا شامیانہ تیار کیا جاتا ہے۔ جس میں دلہا دلہن کے ہمراہ آتا ہے۔ راہب (یہودی عالم) ایک گلاس میں شراب لیتا ہے اور زوجین کے حق میں دعا کرتا ہے۔ پھر اس گلاس کو دلہا دلہن کو دے دیتا ہے۔ یہ لوگ شراب چکھتے ہیں۔ پھر دلہا دلہن کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے عبرانی زبان میں کہتا ہے: دیکھو تم اس انگوٹھی کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیل کی رسوم کے مطابق میرے ساتھ منسوب ہو چکی ہو۔ پھر شادی کے عہد نامے کو آرامی زبان میں ربی با آواز بلند پڑھتا ہے۔ اس کے بعد شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کر کے پھر زوجین کو دیتا ہے جسے وہ دونوں چکھ لیتے ہیں۔ خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جسے نوشہ (دُلہا) توڑ دیتا ہے اور حاضرین میزل تاوَ (mezal tov) یعنی خوش قسمت چلاتے ہیں۔"[۱۳]

شادی کے دن کی تفصیل

یہودیت کے ازدواجی نظام کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں اس لیے ان کے ازدواجی نظام کو تفصیلاً ذکر کرنا ممکن نہیں ہے —— ذیل میں ہم شادی کے دن کی ترتیب کو بیان کرتے اور ان رسومات کا جائزہ لیتے ہیں جن کو یہودی اپنی شادیوں میں ادا کرتے ہیں۔ ان رسومات میں سے بعض مذہبی رسومات ہیں اور بعض معاشرتی، لیکن کسی غیر یہودی کے لیے ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔

شادی کے دن روزہ رکھنا

یہودی شریعت میں شادی کے دن روزہ رکھنا بہت اچھا اور مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم رہے کہ شادی صرف خوشی منانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے۔ اس مذہبی فریضہ کو یاد دلانے کے لیے شادی کے دن روزہ رکھنے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے:

> Both bride and groom fast (do not eat) until after the ceremony, even though a wedding is a joyous

> occasion it is also solemn and the fasting serves to remind them of this.[۱۴]

> "دلہا اور دلہن دونوں شادی کی تقریب کے اختتام تک روزہ کی حالت میں ہوتے ہیں (یعنی کچھ نہیں کھاتے)۔ (اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ) شادی خوشی کے ساتھ ایک سنجیدہ اور مذہبی کام بھی ہے اور یہ روزہ اس مذہبی نوعیت کو یاد دلاتا ہے۔"

Jewish Encyclopedia میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شادی کے دن روزہ رکھا جاتا تھا اور جب شادی کی رسم مکمل ہو جاتی تو وہ دونوں ایک الگ کمرہ میں جا کر اکٹھے روزہ افطار کرتے ہیں یعنی مل کر کچھ کھاتے ہیں۔

> The bride and groom usually fast until after the ceremony and immediately after the ceremony go into a seperate room where they eat together.[۱۵]

> "دلہا اور دلہن شادی کی تقریب کے اختتام تک روزہ کی حالت میں ہوتے ہیں اور تقریب کے فوراً بعد ایک الگ کمرہ میں جا کر اکٹھے کچھ کھاتے ہیں۔"

رشید احمد نے بھی اپنی کتاب[۱۶] میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یہودیت میں شادی کے دن روزہ رکھنا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

ان اقتباسات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ شادی کے دن روزہ رکھنا یہودی شریعت میں کافی اہمیت رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ روزہ سے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ شادی صرف خوشی منانے کی رسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک مذہبی رسم بھی ہے اور روزہ شادی کے مذہبی رسم ہونے کی ایک علامت ہے۔

شامیانہ/Kuppah

یہودی شادی کا ایک لازمی جزء "شامیانہ" ہے جس میں شادی کی تمام تقریب وقوع پذیر ہوتی ہے۔ یہودی اصطلاح میں اسے "Kuppah / Chuppah" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ چار ستونوں سے بنا ایک خیمہ ہوتا ہے جس کے نیچے شادی کی تقریب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ شامیانہ اس گھر کی علامت ہوتا ہے جس میں ان دونوں نے شادی کے بعد مل کر رہنا ہے اور جہاں ان کی اپنی مرضی چلے گی۔

The marriage takes place under a Chuppah, a canopy held up by four poles. The Chuppah is a symbol of their new life together in their own dwelling.[17]

’’شادی ایک chuppah یعنی ایک خیمہ کے نیچے ہوتے ہے جس کے چار ستون ہوتے ہیں۔ یہ خیمہ ان کی اپنے گھر کے اندر اکھٹے رہنے والی نئی زندگی کی علامت ہے۔‘‘

اس شامیانہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض دفعہ شادی کی تقریب کو اس شامیانہ سے موسوم کیا جاتا ہے:

The bride and groom stand beneath the chuppah, a canopy held up by four poles, symbolic of their dwelling together and of the husband's bringing the wife into his home. The importance of the chuppah is so great that the wedding ceremony is sometimes referred to as the chuppah.[18]

’’دُلہا اور دلہن ایک chuppah یعنی ایک خیمہ کے نیچے کھڑے ہوتے ہے جس کے چار ستون ہوتے ہیں۔ یہ خیمہ ان کی اکھٹے رہنے والی زندگی اور شوہر کے دلہن کو اپنے گھر لانے کی علامت ہے۔ اس خیمہ کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض اوقات شادی کی تقریب کو اس خیمہ سے ہی منسوب کر دیا جاتا ہے۔‘‘

اس شامیانہ میں جانے سے پہلے دُلہا باراتیوں کے ساتھ مل کر خوشی کے گیت گاتا ہے اور دلہن جب اس شامیانہ میں داخل ہوتی ہے تو اس کا چہرہ نقاب (گھونگھٹ) سے ڈھانپا ہوا ہوتا ہے۔ اس شامیانہ کا مقصد بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے دلہن اور دلہا پر سایہ کیا جاتا ہے اور بعض لوگوں کے مطابق اس کا مقصد یہ ہے کہ گواہ اچھی طرح زوجین کو دیکھ لیں:

Before going under the chuppah the groom, amidst joyous singing of the guests, covers the bride's face with a veil. This ceremony is called Badeken or Bedekung, and is at least 600 years old. The origin of

this tradition is in the dispute of what exactly is the chuppah. There are opinions that the chuppah means covering the bride's face, and that by this covering the couple is getting married. This opinion is based on the Verse: “Then she took her veil and covered herself.” (Genesis, 24, 65) in which Rebekah meets Isaac. Some are strict to make sure that the witnesses will see the covering, for them to actually be considered as witnessing the marriage.[19]

’’خیمہ کے نیچے جانے سے پہلے دلہا مہمانوں کے درمیان کھڑا ہو کر خوشی کے گانے گائے گا جبکہ دلہن کا چہرہ ایک نقاب (گھونگھٹ) سے ڈھانپا جائے گا۔ اس تقریب (رسم) کو ’’Bedeken یا Bedekung کہا جاتا ہے اور یہ رسم چھ سو سال پرانی ہے۔ اس رسم کی بنیاد یا حقیقت اس تنازع پر ہے کہ chuppah اصل میں کیا چیز ہے۔ اس بارے میں کئی رائے ہیں: chuppah کا مطلب ہے دلہن کے منہ کو چھپانا یا پھر اس غلاف کا مطلب ان کی شادی ہے۔ یہ رائے (توراۃ کی) ایک آیت کی بنیاد پر ہے: ’’تب اس نے نقاب سے اپنے آپ کو چھپا لیا‘‘ جب ربقہ اسحاق سے ملنے گئی۔ بعض لوگ اس معاملے میں شدت کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ گواہوں کو اس پردہ کو ضرور دیکھنا چاہیے تب جا کر وہ شادی کے گواہ تسلیم ہوں گے۔‘‘

دس آدمیوں کی موجوگی میں شادی

یہودی شادی کے لیے ایک اور لازمی امر یہ ہے کہ اس تقریب میں کم از کم دس لوگ ضرور موجود ہوں جن کے موجودگی میں نکاح کی یہ تقریب مکمل کی جاسکے۔ یہ دس لوگ اس شادی کے گواہ ہوں گے کہ اگر کوئی عدالتی مسئلہ پیش آجائے تو ان گواہوں سے شہادت لی جائے گی —— ان میں ایک ’’راہب/Rabbi‘‘ بھی ہونا چاہیے جو توراۃ کی کچھ آیات اور دعاؤں کو تلاوت کرے گا اور اس نئے جوڑے کو خدا کی رحمت کی دعا دے گا۔ Jewish Encyclopedia میں ہے:

Ten people are normally required to be present. One of these usually a rabbi, recites the blessing of erusin.[۲۰]

’’(شادی کے موقع پر) دس آدمیوں کی موجودگی ضروری ہے جن میں سے ایک راہب (یہودی عالم) ہو جو تورات میں سے دعائیں پڑھے۔‘‘

انگوٹھی: رضامندی کی علامت

یہودی شادی کی ایک اہم رسم ’’انگوٹھی پہنانے‘‘ کی ہے۔ یہ انگوٹھی دُلہا دلہن کی رضامندی کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس انگوٹھی کے بارے میں قاعدہ ہے کہ یہ سونے کی ہو اور اس میں کوئی نگینہ یا پتھر جڑا ہوا نہ ہو۔

The groom places the ring on the bride's finger saying "with this ring you are sanctified to me according to the Law of Moses and Israel".[۲۱]

’’دُلہا دلہن کو انگوٹھی پہناتا ہوئے یہ کہے: ’’حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے قانون کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تم میرے لیے پاک کردی گئی ہو۔‘‘

دُلہا یہ انگوٹھی دلہن کی انگلی میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے قانون کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تمہیں اپنایا۔ تو دلہن اس انگوٹھی کو قبول کرلیتی ہے اور اس طرح اس کی رضامندی معلوم ہو جاتی ہے۔

At the giving of the ring the groom (chatan) makes a declaration "You are consecrated to me, through this ring, according to the religion of Moses and Israel." Traditionally there is no verbal response on the part of the bride. She accepts the ring on her finger, and closes her hand, signifying acceptance.[۲۲]

’’دُلہا دلہن کو انگوٹھی پہناتا ہوئے یہ کہے: ’’حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے مذہب کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تم میرے لیے پاک کردی گئی ہو‘۔ معاشرتی روایات کے طور پر دلہن کے اس پر کئی ردعمل ہوسکتے ہیں۔ اگر وہ اس انگوٹھی کو اپنی انگلی میں پہنے اور اپنے ہاتھوں کو بند کرلے تو یہ اس کی

رضامندی کی علامت ہے۔‘‘

Jewish Encyclopedia میں بھی اس رسم کا تذکرہ کیا گیا ہے:

The groom places a gold ring without a stone upon the finger of the bride saying as he does so "I betreth you (literally: you are hereby sanctified into me) with this ring in accordance with the religion of Moses and Israel".[۲۳]

’’دُلہا سونے کی انگوٹھی بغیر کسی نگینہ یا پتھر کے، دلہن کی انگلی میں یہ کہتے ہوئے پہناتا ہے: ’’میں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے مذہب کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے (یعنی تم میرے اندر سما گئی ہو)۔‘‘

یہودیت میں شادی کی رضامندی اس انگوٹھی کی رسم سے ہی معلوم کی جاتی ہے۔ اگر دلہن انگوٹھی پہن لے اور پہننے کے بعد اپنے ہاتھوں کو جوڑ لے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ لڑکی اس شادی پر راضی ہے۔

نکاح نامہ/Ketubah

یہودی شادی میں نکاح نامہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اس کے بغیر شادی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نکاح نامہ کو یہودی اصطلاح میں ’’Ketubah‘‘ کہا جاتا ہے۔ یہ تین لفظوں (kaf-tav-beit) سے مل کر بنا ہے جس کا معنی ہے ’’لکھا ہوا۔‘‘

As part of the wedding ceremony, the husband gives the wife a ketubah. The word "Ketubah" comes from the root Kaf-Tav-Beit, meaning "writing". The ketubah is also called the marriage contract.[۲۴]

’’شادی کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ شوہر اپنی ہونے والی بیوی کو ketubah (نکاح نامہ) دیتا ہے۔ ketubah اصل میں kaf-tav-beit سے بنا ہے جس کے معنی ’’لکھے ہوئے‘‘ کے ہیں۔ اس ketubah کو شادی کا معاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔‘‘

اس نکاح نامہ میں دُلہا یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مہر دے گا جو طلاق یا اس

کے مرنے کی صورت میں اس کے کام آئے گا اور وہ یہ بھی عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نان نفقہ دے گا اور اس کی جسمانی خواہشات کو بھی پورا کرے گا۔

> The ketubah lays out rights of the wife (to monetary payments upon termination of the marriage by death or divorce), and obligations of the husband (providing food, shelter, clothing, and sexual satisfaction to the wife). Due to its overriding importance, it was not written in the Hebrew language, but in Aramaic, the lingua franca of Jews at the time the first Ketubot became standardized.[25]

> ''یہ نکاح نامہ بیوی کے حقوق کا آئینہ دار ہے (یعنی شوہر کی طرف سے طلاق یا شوہر کی وفات کی صورت میں بیوی کو ضروری پیسے ملیں گے) اور شوہر کی ذمہ داری کو بیان کرتا ہے (کہ وہ بیوی کو روٹی، مکان، کپڑا اور جسمانی اطمینان دے گا)۔ اس کی اس غیر ضروری اہمیت کی بنا پر اسے ہبرو زبان کے بجائے آرامی زبان میں تحریر کیا گیا تھا جس وقت پہلا نکاح نامہ بطور معیار بنایا گیا۔ اس لیے کہ اس وقت یہودیوں کی مادری زبان آرامی ہوا کرتی تھی۔''

یہ نکاح نامہ حاضرین کے سامنے اونچی آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ تاکہ تمام لوگ اس نکاح نامہ کی عبارت کو سن سکیں اور اس پر گواہ بن سکیں:

> The Ketubah is then read, generally by the rabbi.[26]

> ''راہب (یہودی عالم) پھر اس ketubah (نکاح نامہ) کو مختصر طور پر (لوگوں کے سامنے) پڑھے۔''

یہودی اسے بہت قیمتی اور مبارک خیال کرتے ہیں اس لیے اسے بہت خوبصورت انداز میں فریم کرا کر گھر میں لٹکایا جاتا ہے:

> The ketubah is often a beautiful work of calligraphy, framed and displayed in the home.[27]

> ''نکاح نامہ پر خوبصورت سی خطاطی کرانے کے بعد اسے فریم میں بند کر کے گھر میں لٹکا دیا جاتا ہے۔''

دُلہا دلہن کا شراب پینا

یہودی شادی کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ شادی کے موقع پر راہب شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور اس پر چند دعائیں پڑھتا ہے (بعض جگہ دو دعاؤں کا ذکر ہے) اور اس کے بعد راہب شراب کا گلاس زوجین کو دیتا ہے اور وہ باری باری اس میں سے شراب پیتے ہیں:

> The Rabbi recites two blessings over a cup of wine. The bride and groom then drink from the cup.[28]

> ''راہب (یہودی عالم) شراب کے گلاس پر دو دعائیں پڑھے۔ پھر دُلہا اور دُلہن اس کپ میں سے شراب پییں۔''

Jewish Encyclopedia میں بھی زوجین کے شراب پینے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ راہب پہلے اس پر رحمت کی دعائیں پڑھے گا اور پھر وہ شراب دُلہا دلہن کو پینے کے لیے دے گا:

> It is also customary to recite the blessings of erusin and nissuin over a cu pof wine from which both bride and groom drink.[29]

> ''یہ بھی معاشرتی روایت ہے کہ شراب کے گلاس پر (راہب کی طرف سے) تورات میں سے چند دعائیں پڑھنے کے بعد دُلہا اور دُلہن اس شراب کو پییں۔''

گلاس توڑنے کی رسم

یہودی شادی کی ایک انوکھی رسم یہ ہے کہ دلہا دلہن شراب پینے کے بعد گلاس کو زمین پر رکھتے ہیں اور دُلہا گلاس کو اپنے دائیں پاؤں سے توڑتا ہے اور سب لوگ ''میزل تاؤ''، یعنی خوش قسمت پکارتے ہیں۔

اس گلاس توڑنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہودی تاریخ میں ان پر جو ظلم و زیادتیاں ہوئی ہیں اس کی یاد میں یہ گلاس توڑا جاتا ہے تاکہ شادی کے اس مسرّت موقع پر بھی اس ظلم و زیادتی کو یاد رکھا جائے۔

The rabbi blesses the couple and then the groom breaks a glass with his foot.This calls to mind the destruction of the Temple back in the history of Judaism. Even though a weeding day is a time of joy and celebration there is still grief because of the pain of some events in Jewish history.[۳۰]

''راہب (یہودی عالم) نئے جوڑے کو دعائیں دے اور پھر دلہا اپنے پاؤں سے گلاس کو توڑے۔ یہ دراصل ان مظالم کی یاد کے طور پر ہے جو یہودیوں پر ماضی میں ہوئے تھے۔ شادی کی تقریب اگرچہ خوشی کا دن ہے لیکن ماضی میں یہودیوں پر کیے گئے مظالم کی وجہ سے اس دن دکھ (کے احساسات) بھی موجود ہیں۔''

Jewish Encyclopedia میں بھی گلاس توڑنے کی اس رسم کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ گلاس توڑنا یہودیوں پر کیے گئے مظالم کے بعد اب ایک نئی صبح کی علامت ہے:

It is also customary to recite the blessings of erusin and nissuin over a cup of wine, from which both bride and groom drink, as well as for the groom to break a glass, traditionally a sign of morning over the destruction of the Temple.[۳۱]

''شراب کے گلاس پر چند دعائیں پڑھنے اور پھر دلہا اور دلہن کے اس شراب کو پینے کے ساتھ یہ بھی معاشرتی روایت ہے کہ دلہا ایک گلاس کو (اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے) توڑے۔ یہ یہودیوں پر مظالم کے دور کے بعد ایک نئی صبح کی علامت ہے۔''

بعض یہودیوں کے نزدیک اس گلاس توڑنے کا مقصد یہ ہے کہ گلاس کے ٹکڑے یہ بتاتے ہیں کہ یہ دلہا دلہن کب تک شادی کے بندھن میں رہیں گے یعنی ان کی شادی کب تک قائم رہے گی:

Along with that belief, some Jews believe that the broken pieces of the glass tell you how long the bride and groom's marriage will last.[۳۲]

''ان تصورات کے ساتھ ساتھ کچھ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس ٹوٹنے والے

گلاس کے ٹکڑے یہ بتاتے ہیں کہ یہ دلہا اور دلہن کب تک شادی کے بندھن میں بندھے رہیں گے۔''

یہودیوں نے اس کی اور بھی وجوہات بیان کی ہیں مگر زیادہ صحیح یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ٹوٹا گلاس اس دور کی علامت ہے جب یہودیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے تھے:

The groom smashes a glass (or a small symbolic piece of glass) with his right foot, to symbolize the destruction of the Temple.[۳۳]

''پھر دلہا گلاس (یا گلاس کے کسی چھوٹے ٹکڑے کو) اپنے دائیں پاؤں سے توڑتا ہے۔ یہ اس دور کی علامت ہے جب یہودیوں کے ہیکلِ سلیمانی کو تباہ و برباد کیا گیا۔''

رشید احمد نے بھی اپنی کتاب میں ''گلاس توڑنے کی رسم'' کو بیان کیا ہے:

''اس کے بعد (راہب) شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کر کے پھر زوجین کو دیتا ہے جسے وہ دونوں چکھ لیتے ہیں۔ خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جسے نوشہ توڑ دیتا ہے اور حاضرین میزل تاؤ (mezal tov) یعنی خوش قسمت چلاتے ہیں۔''[۳۴]

سات دعائیں/سات چکّر

یہودیوں کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ شادی کی تقریب میں زوجین سات دعائیں پڑھتے ہے اور بعض یہودیوں میں یہ بھی رواج ہے کہ دلہن ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ دلہا کے گرد چکر بھی لگاتی ہے۔ Jewish Encyclopedia میں ہے:

Finally the "seven benedictions" of nissuin are recited. In some communities, the custom prevails of having the bride walk round the groom seven times before the ceremony actually begins.[۳۵]

''آخر میں ''سات خیر کی دعائیں'' پڑھی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ شادی کی تقریب شروع ہونے سے پہلے دلہن، دلہا کے گرد سات چکّر لگاتی ہے۔''

ان دعاؤں کو پڑھتے وقت دس گواہوں کی موجودگی لازمی ہے اور اس موقع پر پڑھی جانے والی سات دعائیں درج ذیل ہیں:

The bride and groom recite seven blessings (sheva brakhos) in the presence of a minyan (prayer quorum of 10 adult Jewish men). The essence of each of the seven blessings is:

1.Who has created everything for his glory
2.Who fashioned the Man
3.Who fashioned the Man in His image ...
4.Who gladdens Zion through her children
5.Who gladdens groom and bride
6.Who created joy and gladness...... who gladdens the groom with the bride, and
7.The standard prayer over wine.[36]

''دلہا اور دلہن minyan (جو کہ دس یہودی بالغ مردوں کا گروہ ہوتا ہے) کے سامنے سات دعائیں پڑھتے ہیں۔ اس سات دعاؤں کا نچوڑ ہے اس رب کی تعریف کرنا:

(۱) جس نے ہر شے کو اپنی شان کے لیے پیدا کیا
(۲) جس نے انسان کو روپ دے کر دلکش بنایا
(۳) جس نے انسان کو اپنی صورت میں ڈھالا
(۴) جو یہودیوں کو اپنی اولاد سے بہلاتا ہے
(۵) جو دلہا اور دلہن کو خوش کرتا ہے
(۶) جس نے لطف اور خوشی جیسی نعمتیں تخلیق کیں...... جو دلہا کو دلہن کے ذریعہ خوش کرتا ہے اور
(۷) شراب نوشی کے دوران پڑھی جانے والی بنیاد ی۔''

مہر کا تصور

باقی الہامی مذاہب کی طرح یہودیت میں بھی عورت کے مہر کا تصور ملتا ہے' لیکن یہودی قانون میں مہر کو عورت کا معاشی حق نہیں سمجھا جاتا اس لیے اسے اتنی اہمیت بھی نہیں دی جاتی۔ اسی وجہ سے یہودی قانون میں اس کا تذکرہ اشارتاً تو ملتا ہے مگر صراحتاً اس کا

ذکر نہیں ملتا۔ محمد عبدالرحمٰن یہودی مذہب میں مہر کے تصور کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہودی مذہب میں عورت کا مہر ہوتا ہے اور وہ اس کی مالک بنتی ہے' لیکن یہ اس کا قانونی یا معاشی حق نہیں ہے کہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دی جائے۔''[37]

کتاب مقدس میں بھی اس مہر کا ذکر اشارتاً موجود ہے:

''اگر کوئی مرد کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے' لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقدی دے۔''[38]

کتاب مقدس میں دوسری جگہ اس مہر کی مقدار کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ ''چاندی کے پچاس مثقال'' ہے:

''اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو' لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔''[39]

محرمات

محرمات کا تصور تو ہر مذہب میں موجود ہے۔ یہودیت چونکہ ایک آسمانی مذہب ہے اس لیے اس میں ان عورتوں کا تفصیلاً ذکر ہے جن سے نکاح کرنا ایک یہودی کے لیے ممنوع ہے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''تم میں سے کوئی اپنی کسی قریبی رشتہ دار کے پاس اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جائے۔''[40]

اب ہم ذیل میں ان رشتوں کو ترتیب سے بیان کرتے ہیں جن سے نکاح کرنا یہودی قانون میں ممنوع ہے:

<u>ماں:</u> ماں سے نکاح کرنا کسی مذہب میں جائز نہیں ہے چاہے وہ سگی ماں ہو جس نے اسے

جنا ہے یا وہ اس کے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں ہو:

''تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے۔تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا۔''(۴۱)

یہ تو سگی ماں کی بات تھی۔سگی ماں کی طرح سوتیلی ماں سے نکاح کرنا بھی تقریباً ہر مذہب میں حرام ہے۔کتاب مقدس میں ہے:

''کوئی شخص اپنے باپ کی بیوی سے بیاہ نہ کرے اور اپنے باپ کے دامن کو نہ کھولے۔''(۴۲)

دوسری جگہ اس موضوع کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''لعنت اس پر جو اپنے باپ کی بیوی سے مباشرت کرے کیونکہ وہ اپنے باپ کے دامن کو بے پردہ کرتا ہے۔''(۴۳)

بہن: ماں کی طرح بہن سے نکاح کرنا بھی یہودی قانون میں حرام ہے:

''لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی۔''(۴۴)

کتاب مقدس میں اس موضوع کو کئی اور جگہ بھی بیان کیا گیا ہے:

''تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو' چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں' بے پردہ نہ کرنا۔''(۴۵)

پوتی/نواسی: یہودی شریعت میں پوتی اور نواسی سے بھی بیاہ نہیں کیا جا سکتا:

''تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے۔''(۴۶)

ساس: یعنی بیوی کی ماں سے بھی شادی کرنا حرام ہے:

''لعنت اس پر جو اپنی ساس سے مباشرت کرے اور سب لوگ کہیں آمین۔''(۴۷)

پھوپھی: پھوپھی یعنی باپ کی بہن سے بیاہ کرنا بھی یہودی شریعت میں حرام ہے:

''تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بھی بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے۔''(۴۸)

خالہ: پھوپھی کی طرح خالہ یعنی ماں کی بہن سے بیاہ کرنا بھی یہودی شریعت میں حرام ہے:

''تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے۔''(۴۹)

چچی/تائی: پھوپھی اور خالہ کی طرح چچی/تائی یعنی باپ کے بھائی کی بیوی سے بیاہ کرنا بھی یہودی شریعت میں حرام ہے:

''تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا۔وہ تیری چچی ہے۔''(۵۰)

بہو: یہودی قانون ازدواج کے مطابق بیٹے کی بیوی سے بھی بیاہ کرنا حرام ہے:

''تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے۔سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا۔''(۵۱)

بھابھی: ایک بھائی دوسرے بھائی کی بیوی سے بیاہ نہیں کر سکتا:

''تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے۔''(۵۲)

اجتماع اختین بھی ممنوع ہے: ایک شخص کا دو بہنوں سے ایک ہی وقت میں نکاح کرنا اسلام کی طرح یہودیت میں بھی حرام قرار دیا گیا ہے:

''تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔''(۵۳)

اسی طرح ماں بیٹی یا ماں اور نواسی کو نکاح میں جمع کرنا بھی ممنوع ہے۔یہودی شریعت نے اسے خباثت قرار دیا ہے:

''تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔یہ بڑی خباثت ہے۔''(۵۴)

غیر یہودی عورت سے نکاح بھی ممنوع ہے: یہ تو ان محرمات کا ذکر ہے کہ جن کی حرمت واضح الفاظ میں یہودی شریعت میں بیان کر دی گئی ہے' جبکہ غیر یہودی عورت سے نکاح کرنے کی حرمت کا بھی ذکر اشارتاً موجود ہے۔لڑکے اور لڑکی کا پیدائشی طور پر یہودی

ہونا لازم ہے اگر ان میں سے ایک غیر یہودی ہے تو پھر ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

In certain cases, the marriage is not recognized abinitio, e.g. marriage with a mother, sister, daughter, non-Jewess or wife of another man.(۵۵)

''بعض صورتوں میں شادی تسلیم شدہ نہیں ہے، مثلاً ماں، بہن، بیٹی، غیر یہودی یا کسی دوسرے آدمی کی بیوی کے ساتھ۔''

Most marriages in Judaism take place between believing Jews, this is because the child of a non-Jewish mother is not Jewish even if the father is.(۵۶)

''یہودیت میں زیادہ تر شادیاں یہودیوں (یہودی مرد اور یہودی عورت) کے درمیان ہی ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر یہودی عورت سے پیدا ہونے والا بچہ یہودی نہیں ہوتا اگرچہ اس کا باپ یہودی ہو۔''

تعدّدِ ازدواج

معاشرتی نشوونما کے سلسلے میں تعدد ازدواج یعنی ایک مرد کا بیک وقت ایک سے زیادہ عورتوں کا شوہر ہونا ایک ناگزیر امر ہوتا ہے۔ قدیم زمانوں میں آئے دن جنگوں کے باعث مردوں کی آبادی میں کمی ہوجایا کرتی تھی جس سے عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا تھا اس لیے تعدد ازدواج کا قانون رائج کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ سرداروں اور بادشاہوں کو مکمل اختیار حاصل تھے جس کی وجہ سے وہ جتنی چاہتے شادیاں کرلیتے تھے۔

یہودیت میں بھی تعدد ازدواج کی اجازت اگرچہ صراحتاً تو نہیں ملتی، مگر مختلف واقعات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس معاشرہ میں بھی تعدد ازدواج کی اجازت تھی۔ یہودیت کے تعدد ازدواج کے قانون کی ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کی کوئی حد بندی نہیں تھی:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے پہلے بنی اسرائیل کے ہاں تعدد ازدواج کا دستور تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے قائم رہنے دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی کوئی حد مقرّر نہ کی کہ ایک یہودی مرد بیک وقت کتنی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا تھا۔''(۵۷)

ایک یہودی اپنی خوشی اور خواہشات کی تکمیل کے لیے لاتعداد عورتوں سے شادی کرسکتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جن کی بے شمار بیویاں تھیں۔ کتابِ مقدس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد کا تذکرہ موجود ہے:

''سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اسکی بیویاں اور تین سو حرمین تھیں۔''(۵۸)

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہودیت میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے اور اس کی کوئی حد بندی بھی نہیں ہے، مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک یہودی شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا ہے جن کو نان ونفقہ دینے کی اس میں استطاعت ہو۔

بیوہ ومطلقہ کا نکاحِ ثانی

یہودی چونکہ عورت کو ایک بری چیز تسلیم کرتے ہیں اس لیے ان کے قانون میں جب ایک عورت کی شادی ہوگئی تو پھر وہ دوبارہ شادی نہیں کرسکتی۔ اگر کسی یہودی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی تو اب وہ دوبارہ شادی نہیں کرسکتی اور نہ ہی کسی مرد کو اس سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''وہ کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے بیاہ نہ کریں اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو۔''(۵۹)

اسی طرح کئی اور مقامات پر یہودی مرد کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی مطلقہ عورت سے بیاہ نہ کرے بلکہ کسی کنواری لڑکی سے بیاہ کرے:

''اور وہ کنواری لڑکی سے بیاہ کریں۔ جو بیوہ یا مطلقہ یا ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے وہ بیاہ نہ کرے بلکہ اپنی ہی قوم کی کنواری کو بیاہ لے۔''(۶۰)

سید جلال الدین بھی اپنی کتاب میں یہی لکھتے ہیں کہ یہودی قوانین میں عورت

کو دوسری شادی کرنے کی کوئی اجازت نہیں تھی:

''یہودی قانون کی رو سے مرد وارث کی موجودگی میں عورت وارث سے محروم ہو جاتی ہے۔اس طرح عورت کو دوسری شادی کا بھی حق نہیں تھا۔''(۶۱)

حافظ ضیاء الدین نے یہودی قانون میں عورت کی دوسری شادی کی پابندی کو عورتوں پر بہت بڑا ظلم قرار دیا ہے:

''اسی طرح اگر ایک مرتبہ عورت کی شادی مرد سے ہو گئی تو یہودی شریعت میں اس عورت کو دوسری شادی کی کسی صورت اجازت نہ تھی۔اس سے واضح ہوا کہ عورت پر ظلم و ستم کی یہودیوں نے انتہا کر دی تھی۔''(۶۲)

یہ تو اس عورت کے نکاح کا بیان تھا جس کو اس کا شوہر طلاق دے دے اور اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس کے لیے یہودی قانون میں یہ حکم و رواج تھا کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی سے شادی کرے اور اس شادی سے ہونے والا پہلا بچہ بھی اس کا نہیں بلکہ اس کے مرحوم بھائی کا شمار ہوتا تھا۔اگر اس کے شوہر کا بھائی شادی کرنے سے انکار کر دیتا تو پھر اسے اس بات پر مجبور کیا جاتا اور اگر وہ پھر بھی نہ مانتا تو اس کو عمر بھر ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔کتاب مقدس میں ہے:

''اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے، بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنا لے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے۔اور اس عورت کے جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے۔اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا۔تب اس کے شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں ہے تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر اس کے پاؤں سے جوتی اتارے اور اس کے مُنہ پر تھوک دے اور یہ کہے کہ جو آدمی

اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔تب اسرائیلیوں میں اس کا نام پڑ جائے گا کہ یہ اُس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اتاری گئی تھی۔''(۶۳)

جب یہودی عورت کا شوہر مر جاتا تو اب اسے اپنے شوہر کے بھائی سے لازمی شادی کرنی پڑتی تھی اور اس شادی میں ایک طرف تو لڑکے کو مجبور کیا جاتا تھا تو دوسری طرف عورت سے بھی اس کی رضا نہیں پوچھی جاتی تھی۔اور اس شادی سے ہونے والی پہلی اولاد بھی اس پہلے خاوند ہی کی شمار ہوتی تھی بقول شبلی نعمانی:

''یہودی مذہب میں بیوہ عورت ایک بھائی کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بھائی کی ملک ہو جاتی تھی اور وہ جس طرح چاہتا اس سے معاملہ کر سکتا تھا۔اس زن وشوئی کے تعلق میں عورت کی مرضی کا کوئی اختیار نہ تھا، بلکہ اس کی حیثیت مجبور کی سی ہوتی تھی۔''(۶۴)

زنا اور اس کی سزا

باقی مذاہب کی طرح یہودیت میں بھی شادی سے پہلے کے تعلق کو حرام قرار دیا گیا ہے اور مرد و عورت کے تعلق کے لیے شادی کو لازمی قرار دیا ہے۔یہودیت میں بھی زنا حرام ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت کو سنگسار کر دینے کا حکم موجود ہے۔کتاب مقدس میں اس بارے میں کافی روایات موجود ہیں، مثلاً:

''اگر کوئی کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتا پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔''(۶۵)

اسی طرح اگر کسی لڑکی کی شادی ہو جائے اور شادی کے وقت پتا چلے کہ اس عورت نے شادی سے پہلے کسی مرد سے ناجائز تعلق رکھا تھا تو اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا:

''اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے

دفع کرنا۔''(۶۶)

اسی طرح اگر کوئی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے تو اس کی سزا بھی موت ہے:

''اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے' وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیے جائیں۔''(۶۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کاہن کی بیٹی سے زنا کرے تو اس کے لیے یہودی قانون میں پھانسی کی سزا ہے اور لڑکی کے لیے زندہ جلانے کی۔''(۶۸)

نوٹ: یہ سنگسار کرنے کی سزا اس وقت ہے جب کسی شادی شدہ لڑکی سے زنا کیا جائے یا شادی کے بعد لڑکی کے فاحشہ ہونے کا پتا چلے۔ اور اگر کوئی کنوارا لڑکا کسی کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کو رجم کی سزا نہیں دی جائے گی' بلکہ اس کی سزا یہ ہوگی کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرے اور اس کے باپ کو کچھ جرمانہ ادا کرے۔ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

زنا بالجبر کی سزا

اگر کوئی مرد کسی عورت سے اس کی رضامندی کے بغیر زنا کرے تو اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی اس لیے کہ وہ تو مجبور تھی' لیکن اس مرد کو قتل کیا جائے گا:

''اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی ہی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے' پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا کیونکہ لڑکی کا ایسا گناہ نہیں جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرے۔ اس لیے کہ یہ بات ایسی ہے جیسے کوئی اپنے ہمسایہ پر حملہ کرے اور اسے مار ڈالے کیونکہ وہ لڑکی اسے میدان میں ملی اور وہ منسوبہ لڑکی چلائی بھی۔ پر وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اسے چھڑاتا۔''(۶۹)

لونڈی سے زنا کرنے کی سزا

ماقبل بیان کردہ سزا اس صورت میں ہے جب لڑکی آزاد ہو' لونڈی نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی لونڈی سے زنا کرتا ہے تو اس کو اتنی سخت سزا نہیں دی جائے گی کہ اسے قتل کر دیا جائے' بلکہ اسے کوئی معمولی سزا دی جائے گی:

''اگر کوئی ایسی عورت سے صحبت کرے جو لونڈی ہو اور کسی شخص کی منگیتر ہو اور نہ تو اس کا فدیہ ہی دیا گیا ہو اور نہ وہ آزاد کی گئی ہو تو ان دونوں کو سزا ملے' لیکن وہ جان سے مارے نہ جائیں۔ اس لیے کہ وہ عورت آزاد نہ تھی۔''(۷۰)

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم

ہندومت کی طرح یہودیت میں بھی یہ قانون موجود ہے کہ اگر کوئی مرد کسی لڑکی سے جبراً زنا کرتا ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے اس عورت کی عزت کو پامال کیا ہے اور اب معاشرہ میں اس عورت سے کوئی بیاہ نہیں کرے گا۔ اس لیے اس کا حل یہ ہے کہ جس مرد نے اسے بے آبرو کیا ہے وہی اس سے شادی کرے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو' پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔''(۷۱)

اگر اس مباشرت میں کنوای لڑکی کی رضا بھی شامل ہو تب بھی اس کا قانون یہی ہے کہ ان دونوں کا نکاح کیا جائے اور زنا کرنے والے مرد پر لازم ہے کہ وہ لڑکی کے باپ کو جرمانہ ادا کرے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو' لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔''(۷۲)

خلاصۂ بحث

یہودیت کے عائلی قوانین اور نکاح کی رسومات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس مذہب اور معاشرہ میں نکاح کے قوانین افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ مرد کو حقوق ہی حقوق حاصل ہیں اور عورت کو لونڈی کا درجہ بھی نہیں دیا گیا' بلکہ اسے گناہ کا

سبب قرار دے کر اس کی عزت کا تصور ہی ختم کر دیا گیا اور ظاہر یہ کیا گیا کہ عورت گناہوں کی جڑ ہے اور اس سے بچ کر رہنے میں ہی عافیت ہے۔

یہودیت میں شادی کی رسومات کا جائزہ لیا جائے تو چند عجیب وغریب رسمیں دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً شراب پینا' گلاس توڑنے کی رسم اور اسی طرح دس بندوں کی گواہی وغیرہ۔

یہودی مذہب میں مرد کو بغیر کسی حد بندی کے شادیاں کرنے کی اجازت ہے' جبکہ عورت کو طلاق کے بعد بھی دوبارہ نکاح کا حق نہیں دیا گیا۔ اور بیوہ کا نکاح زبردستی اس کے دیور سے کر دیا جاتا ہے اور اس نکاح سے ہونے والا پہلا بیٹا بھی مرحوم شوہر کا تصور کیا جاتا ہے۔

زنا کی سزا اگرچہ سنگسار تھی مگر یہودی معاشرہ نے اسے منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھانے سے بدل دیا تھا اور دوسری طرف زنا بالجبر کی صورت میں ان دونوں کا نکاح لازم ہو جاتا تھا۔

الغرض یہودی قانونِ ازدواج افراط وتفریط کا شکار تھا اور مرد کو تمام اختیارات حاصل تھے اور عورت ہر قسم کے اختیارات سے محروم تھی۔

حواشی (باب سوم)

(۱) پیدائش' باب۳:۱۷' ص۷۔
(۲) تمدّنِ عرب' ص۳۷۳۔
(۳) گنتی' باب۳۰:۱۶' ص۱۵۸۔
(۴) مسلمان عورت' ص۲۳۔
(۵) روحِ اسلام' ص۳۵۹۔
(۶) Jewish Encyclopedia, P1272
(۷) www.judaism101marriage.com
(۸) Jewish Encyclopedia, P1272
(۹) Jewish Encyclopedia, P1272-1273
(۱۰) اسلام کا نظام عفت وعصمت' ص۱۹۵۔
(۱۱) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔
(۱۲) شادی کی تاریخ' ص۱۵۶۔
(۱۳) تاریخِ مذاہب' ص۲۸۹۔
(۱۴) www.marriage.com
(۱۵) Jewish Encyclopedia, P1273
(۱۶) تاریخ مذاہب' ص۲۸۹۔
(۱۷) www.marriageinjudaism.com
(۱۸) www.judaism101marriage.com
(۱۹) www.jewishviewsofmarriage.com
(۲۰) Jewish Encyclopedia, P1273
(۲۱) www.marriageinjudaism.com
(۲۲) www.jewishviewsofmarriage.com
(۲۴) Jewish Encyclopedia, P1273
(۲۵) www.judaism101marriage.com
(۲۶) www.jewishviewsofmarriage.com

۲۷ Jewish Encyclopedia, P1273

۲۸ www.judaism101marriage.com

۲۹ www.marriageinjudaism.com

۳۰ Jewish Encyclopedia, P1273

۳۱ www.marriageinjudaism.com

۳۲ Jewish Encyclopedia, P1273

۳۳ www.jewishviewsofmarriage.com

۳۴ www.judaism101marriage.com

۳۵ تاریخ مذاہب، ص۲۸۹۔

۳۶ Jewish Encyclopedia, P1273

۳۷ www.judaism101marriage.com

۳۸ عورت انسانیت کے آئینہ میں، ص۱۴۰۔

۳۹ خروج، باب۲۲: ۱۶۔۱۷، ص۷۴۔

۴۰ استثناء، باب۲۲: ۲۸۔۲۹، ص۱۸۸۔

۴۱ احبار، باب۱۸: ۷، ص۱۱۱۔

۴۲ احبار، باب۱۸: ۸، ص۱۱۱۔

۴۳ استثناء، باب۲۲: ۳۰، ص۱۸۸۔

۴۴ استثناء، باب۲۷: ۲۰، ص۱۹۲۔

۴۵ استثناء، باب۲۷: ۲۲، ص۱۹۲۔

۴۶ احبار، باب۱۸: ۹، ص۱۱۲۔

۴۷ احبار، باب۱۸: ۱۰، ص۱۱۱۔

۴۸ استثناء، باب۲۷: ۲۳، ص۱۹۲۔

۴۹ احبار، باب۱۸: ۱۲، ص۱۱۱۔

۵۰ احبار، باب۱۸: ۱۳، ص۱۱۱۔

۵۱ احبار، باب۱۸: ۱۴، ص۱۱۱۔

۵۲ ایضاً، باب۱۸: ۱۵۔

۵۳ ایضاً، باب۱۸: ۱۶۔

۵۴ ایضاً، باب۱۸: ۱۸۔

۵۵ ایضاً، باب۱۸: ۱۷، ص۱۱۲۔

۵۶ Jewish Encyclopedia, P1272

۵۷ www.marriageinjudaism.com

۵۸ روح اسلام، ص۳۵۹۔

۵۹ سلاطین، باب۱۱: ۳، ص۳۴۰۔

۶۰ احبار، باب۲۱: ۷، ص۱۱۴۔

۶۱ احبار، باب۲۱: ۱۳۔۱۴، ص۱۱۵۔

۶۲ عورت اسلامی معاشرہ میں، ص۱۳۱۔

۶۳ عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، ص۳۴۔

۶۴ استثناء، باب۲۵: ۵تا۱۰، ص۱۹۰۔

۶۵ سیرت النبی ﷺ جلد ششم، ص۲۹۰۔

۶۶ استثناء، باب۲۲: ۲۲، ص۱۸۷۔

۶۷ استثناء، باب۲۲: ۲۰۔۲۱، ص۱۸۷۔

۶۸ احبار، باب۲۰: ۱۰، ص۱۱۳۔

۶۹ تفہیم القرآن، جلد سوم، ص۳۲۱۔

۷۰ استثناء، باب۲۲: ۲۵۔۲۶، ص۱۸۷۔

۷۱ احبار، باب۱۹: ۲۰، ص۱۱۳۔

۷۲ خروج، باب۲۲: ۱۶، ص۷۴۔

۷۳ استثناء، باب۲۲: ۲۸۔۲۹، ص۱۸۸۔

باب چہارم

عیسائیت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

عیسائیت میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

یہودیت کی طرح عیسائیت بھی ایک آسمانی مذہب ہے، لیکن یہودیت اور یہودی معاشرہ کی طرح عیسائیت اور عیسائی معاشرہ میں بھی ازدواجی زندگی کا تصور بہت تاریک ہے اور عورت کی حیثیت مرد سے کم تر ہے۔ عیسائیت کی تعلیمات ازدواجی زندگی کے متعلق پوری رہنمائی نہیں کرتیں، بلکہ مزید معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی اُلجھنوں میں گرفتار کر دیتی ہیں۔ بقول سید سلمان ندوی:

> ''اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے ان سب میں مرد اور عورت کے ازدواجی تعلقات کو اخلاقی و روحانی ترقی کی راہ میں حائل سمجھا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب میں رہبانیت اور ازدواجی زندگی سے گریز کو ہی روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔''[1]

اگرچہ شادی ایک عمومی اور اہم معاملہ ہے اس کے باوجود عیسائی مذہب میں اس بارے میں واضح ہدایات موجود نہیں ہیں۔ اس بات کا اعتراف عیسائی محققین نے کیا ہے۔ بقول عبدالقیوم ندوی:

> ''دنیا کے ایک نہایت مشہور اور ترقی یافتہ قوموں کے اختیار کردہ مذہب عیسائیت میں آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ شادی جیسی اہم ضرورت کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی گئی۔ اس حقیقت کا اعتراف کسی اور نے نہیں بلکہ خود ایک عیسائی محقق نے کیا ہے۔''[2]

شادی ایک مجبوری

ایک طرف عیسائیت میں شادی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں تو دوسری

طرف لوگوں کو تجرد کی طرف مائل کیا گیا ہے۔ شادی کو بلند نصب العین نہیں قرار دیا گیا، بلکہ اس وقت شادی کرنے کو کہا گیا ہے جب زنا اور برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت میں شادی ایک ضروری اور پسندیدہ چیز نہیں بلکہ ایک مجبوری ہے۔ بائبل کے مطابق:

> ''مرد کے لیے اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے لیکن حرام کاری کے اندیشہ سے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے۔''[3]

شادی اور ازدواجی زندگی سے دور رہنے والا اور تجرد کی زندگی گزارنے والا بہت بابرکت سمجھا جاتا تھا اور عیسائی معاشرہ میں شادی سے پرہیز کو بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی عیسائیت کے ازدواجی زندگی سے متعلق تصورات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو تقویٰ اور تقدس اور بلند اخلاق کی علامت سمجھنے لگے۔ پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو آدمی نکاح نہ کرے اگر نکاح کر لے تو میاں اور بیوی ایک دوسرے سے زن و شوہر کا تعلق نہ رکھیں۔''[4]

بقول مسلم بی اے:

> ''مسیحیت میں تجرد کی زندگی گزارنے والا بابرکت تھا اور جو شادی کرتا وہ اپنی روح کو خباثتوں اور آلائشوں میں ملوث کرتا تھا۔''[5]

اسی طرح مرد و عورت کا صنفی تعلق نجس تصور کیا جاتا تھا۔ اس تصور کو اُجاگر کر کے لوگوں کو ازدواج سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ سید مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اخلاق کا یہ راہبانہ تصور پہلے سے اشراقی فلسفہ کے زیر اثر مغرب میں جڑ پکڑ رہا تھا۔ مسیحیت نے آ کر اسے حد تک پہنچایا۔ اب تجرد اور دوشیزگی بلند اخلاقی اقدار قرار پائی اور تاہل کی زندگی اخلاقی اعتبار سے پست اور ذلیل سمجھی جانے لگی۔''[6]

پیغامِ نکاح اور منگنی کی رسم

عام طور پر شادی کے دو مراحل ہوتے ہیں ایک منگنی یعنی رشتہ طے کرنے کی رسم اور اس کے بعد نکاح کا مرحلہ آتا ہے۔ اگر ہم شادی کے مرحلہ کو ترتیب وار دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے اور رشتہ ملنے کے بعد منگنی کی رسم کی باری آتی ہے جس کی علامت انگوٹھی کو قرار دیا گیا ہے اور منگنی کے بعد شادی کی تکمیل کے لیے نکاح کا مرحلہ آتا ہے۔

ساتھی کا انتخاب

رشتہ تلاش کرنے کی ذمہ داری زیادہ تر لڑکی اور لڑکے کے والدین کی ہوتی ہے اور وہ خود رشتہ تلاش کرتے ہیں یا پھر کسی شخص کو یہ ذمّہ داری سونپ دیتے ہیں۔ ہم چند مثالوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رشتہ تلاش کرنا والدین ہی کا کام ہے۔

☆ عام طور پر والدین یا ان کا مقرّر کردہ شخص لڑکے کے لیے بیوی تلاش کرتا اور اس کی شادی کا انتظام کرتا تھا۔ بائبل کے مطابق ہاجرہ نے خود اسماعیل کے لیے بیوی تلاش کی:

''اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔''⑦

اسی طرح ابراہیم نے اپنے بیٹے کے لیے اپنے نوکر کو بیوی تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ بائبل میں ہے:

''اور ابرہام نے اپنے گھر کے سالخوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا......تو میرے وطن میں میرے رشتہ داروں کے پاس جا کر میرے بیٹے اضحاق کے لیے بیوی لائیگا۔''⑧

☆ بعض اوقات لڑکا اپنے لیے خود بیوی تلاش کرتا ہے اور والدین اس کے لیے رشتہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بائبل میں اس کا ثبوت بھی ہے:

''سِکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لیے بیاہ لادے۔''⑨

☆ شاذ و نادر ہی کوئی اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کرتا ہے۔ بائبل کے مطابق عیسو نے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کی:

''جب عیسو چالیس برس کا ہوا تو اس نے بیری حتی کی بیٹی یہودتھ اور ایلون حتی کی بیٹی بشانتھ سے بیاہ کیا اور وہ اضحاق اور رِبقہ کے لیے وبالِ جان ہوئیں۔''⑩

منگنی

جب والدین کو اپنی بیٹی یا بیٹے کا مناسب جوڑ اور رشتہ مل جائے تو پھر ''منگنی'' کی باری آتی ہے۔ منگنی کی رسم کا تذکرہ عیسائی قانون ازدواج میں ملتا ہے۔ صاحبِ قاموس الکتاب منگنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''منگنی' رشتہ مانگنے کی رسم۔ بعض مرتبہ لڑکے اور لڑکی کے والدین بچپن ہی سے اپنے بچوں کے لیے طے کر لیتے ہیں کہ ان کے جوان ہونے پر ان کا آپس میں رشتہ کر لیا جائے گا۔ جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو منگنی کی رسم ادا کی جاتی تھی جس میں مرد اور عورت کی نسبت ٹھہراتے تھے اور یوں وہ ایک دوسرے کے منگیتر ٹھہرتے تھے۔''⑪

منگنی کے موقع پر نصیحت

منگنی کی رسم ادا کرنے سے پہلے پاسبان (پادری) فریقین اور مجلس میں موجود لوگوں کو کچھ نصیحت کرتا ہے اور کتاب مقدس کی کچھ آیات تلاوت کرتا ہے۔ اس کے بعد منگنی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پادری صابر صادق نے اس نصیحت کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے:

''آج ہم اس جگہ خدا اور ان گواہوں کے روبرو حاضر ہوئے ہیں کہ ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالیں۔ اس وقت ہم اس موقع کو یاد کرتے ہیں جب ابراہیم کا وفادار خادم الیعزر اضحاق کے لیے بیوی کی تلاش میں نکلا اور خدا کی مدد اور فضل سے اپنے لوگوں میں سے اس کے لیے ایک خدا پرست دیندار بیوی تلاش کر کے لایا۔ بیان سے ظاہر ہے کہ اس سے بیشتر کہ رِبقہ اپنے گھر سے جدا ہوئی اس کی منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ لہٰذا ہم بھی جمع ہوئے ہیں کہ اس رسم کو ادا کریں۔ میں خدا کا خادم ہوتے ہوئے دونوں کو (جن کے درمیان منگنی ہو) نصیحت کرتا ہوں کہ خدا

کے کلام کی ان باتوں کو جو میں نے پڑھ کر سنائیں اپنے دل میں جگہ دو۔تم یقین کرو کہ اگر خدا ہی گھر نہ بنائے تو ہماری کوشش بے فائدہ ہے۔ بڑے خوف سے اس کام میں ہاتھ لگاؤ۔اس نیک کام میں محبت کو اول درجہ دیں اور نیک کاموں کے کرنے میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔خدا سے ڈرتے اور کانپتے ہوئے اس کام میں ہاتھ لگاؤ اور دعا کرو کہ تم دونوں کو ایسی سمجھ بخشے کہ تم خاندانی ذمہ داری کو بخوبی محسوس کر کے نہایت پاکیزگی سے اس کام کو سرانجام دے سکو۔''[12]

منگنی کی رسم

نصیحت کرنے کے بعد اب رسم ادا کرنے کی باری آتی ہے۔منگنی کی علامت انگوٹھی ہے جو فریقین ایک دوسرے کو پہناتے ہیں مگر اچھا اور مناسب یہی ہے کہ انگوٹھی فریقین کے بجائے ان کے والدین یا کوئی بزرگ پہنائے:

''اس موقع پر مرد و عورت منگنی کے نشانات پاسبان کے سامنے رکھیں اور وہ ان چیزوں کو دوسروں کو دکھا کر مرد کی طرف سے نشانات عورت کو اور عورت کی طرف سے مرد کو دے۔مقرر یہ ہے کہ ہر دو جانب سے کوئی عزیز یا کوئی بزرگ شخص اس خدمت کو انجام دے۔''[13]

منگنی کے موقع کی خاص دعا

منگنی کی رسم ادا کرنے کے بعد پاسبان دعا کراتا ہے جس میں فریقین کے ساتھ ساتھ مجلس میں موجود ان کے والدین اور باقی افراد شریک ہوتے ہیں۔اس دعا میں یہ مانگا جاتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی نے خدا کو حاضر ناظر جان کر جو منگنی اور وفاداری کا عہد کیا ہے، وہ اسے ساری عمر نبھائیں:

''خداوند تیرا شکر ہو کہ تیری حضوری کو ہم نے قانائے گلیل کی شادی کی تقریب کی طرح محسوس کیا اور ہر ایک کام میں تجھے بہت نزدیک پایا۔ان نعمتوں کے لیے تیرا شکر ہو۔تو نے ہر کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ہماری خوشیوں کو دوبالا کیا۔ہم ان کی آئندہ زندگی تیرے ہاتھوں میں سونپتے ہیں۔ان کو اپنی برکات سے مالا مال کر کہ ان کی برادری اور مساوات قائم رہیں۔اے خداوند جنہیں تو نے

ایک ہونے کے لیے بلایا ہے، بخش کہ وہ ایمانداری اور پیار بھرے جذبات کے ساتھ ایک دوسرے سے وفا کرتے رہیں اور آج سے ایک دوسرے کے لیے مخصوص ہو جانے کے بعد انگوٹھی کے تبادلے کے عہد کو وفاداری سے نبھائیں۔ان کو برکت دے اور تمام ضروری فضائل انہیں بخش تا کہ ایک دن یہ دائمی طور پر ایک دوسرے کو اپنا سکیں۔یہ ہمیشہ تجھ سے قوّت اور برکت پاتے رہیں۔ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنا۔ان کے خاندانوں میں بھی پیار اور محبت بڑھا اور انہیں ہمت بخش کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹی کی شادی کے لیے مسیحی ایمان، سچائیوں اور تعلیم کے مطابق تیاری کریں۔یہ سب کچھ مانگتے ہیں تیرے بیٹے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔''[14]

منگنی کی پابندی لازمی ہے

منگنی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد اس کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔جس طرح شادی کا رشتہ اٹوٹ ہے، کسی کے توڑنے سے نہیں ٹوٹتا اسی طرح منگنی ہو جانے کے بعد اس کو بھی نہیں توڑا جا سکتا۔پادری کے ایل ناصر لکھتے ہیں:

''جب کسی کی نسبت طے ہو جاتی تھی تو اس کی پابندی بھی اسی قدر لازمی ہو جاتی تھی جس قدر کہ شادی بیاہ کی اور اگر دلہن سے کوئی غیر اخلاقی حرکت سرزد ہو جاتی تو اسے زنا سمجھ کر شریعت کے مطابق اسے موت کی سزا دی جاتی تھی۔''[15]

بائبل کے مطابق:

''اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے۔تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔''[16]

شادی کی عمر

عیسائی شریعت میں شادی کے لیے کم سے کم عمر بیان تو نہیں کی گئی مگر تالمود کی بعض روایات سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ لڑکی کی عمر بارہ سال ایک دن ہونی چاہیے اور لڑکے کی عمر بیس سال۔پادری کے ایل ناصر شادی کی عمر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بائبل کے زمانے میں مختلف طبقات کے اسرائیلیوں کے درمیان شادی بیاہ کے لیے ذات پات کی کوئی قید نہیں تھی۔ اگرچہ قدرتی طور پر لوگ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں ہی شادی بیاہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اسرائیلی شادیاں بہت کم عمری میں ہی ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ موسوی شریعت کے تحت شادی کے لیے کم سے کم عمر بیان نہیں کی گئی ہے تاہم طالمود میں ذکر آیا ہے کہ دلہن کی عمر کم سے کم بارہ برس اور ایک دن ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص بیس سال کی عمر تک شادی نہیں کرتا تھا تو یہ بات اس کی بدنامی اور بے عزتی کا باعث اور اس کے فرض اور عام دستور اور رواج سے انحراف سمجھا جاتا تھا۔ عام رواج کے مطابق جونہی کوئی نوجوان جسمانی طور پر بالغ ہو جاتا اس کی شادی کر دی جاتی تھی یعنی جب لڑکی پندرہ یا سولہ برس کی اور لڑکا اس کے ایک یا دو سال بڑا ہوتا تھا تو ان کی شادی کر دی جاتی۔''(۱۷)

مسیحی ممالک میں شادی کی کم از کم عمر

تقریباً تمام مسیحی ممالک کے عائلی قوانین میں شادی کی کم از کم عمر کا تعین کیا گیا ہے' لیکن ہر ملک کی تعین کردہ عمر دوسرے سے مختلف ہے۔

''تمام مسیحی ممالک کے قوانین میں شادی کے لیے کم سے کم عمر کا تعین کر دیا گیا ہے۔ رومن لاء میں دُلہا کے لیے عمر ۱۴ سال اور دلہن کے لیے ۱۲ سال مقرر کی گئی تھی جس کی چرچ نے منظوری دے دی تھی۔ برطانیہ' امریکہ' سپین' پرتگال' یونان' میکسیکو' چلی اور امریکہ کے متعدد رومن کیتھولک ملکوں میں یہ قانونی دفعہ نافذ چلی آ رہی ہے۔ آسٹریا میں مرد اور عورت کی شادی کی عمر ۱۴ سال' سربیا اور کاکیشیا میں مردوں کی عمر ۱۵ سال اور عورتوں کے لیے ۱۳ سال۔ برازیل' شمالی کیرولینا اور ٹیکساس میں مردوں کے لیے ۱۶ سال اور عورتوں کے لیے ۱۴ سال۔ الباما آرکنساس' جارجیا اور الینائے میں مرد کے لیے ۱۷ سال اور عورت کے لیے ۱۴ سال۔ پیرو میں ۱۸ سال اور ۱۴ سال مقرر ہے۔ فرانس' بلجیئم' اٹلی' رومانیہ' کیلی فونیا' مینسوٹا' نیومیکسیکو' آریگن اور وسکانسن میں مردوں کے لیے ۱۸ سال اور عورتوں کے لیے ۱۵ سال۔ روس' ہالینڈ' انڈیانا' مشی گن' مونٹانا' نبراسکا' نیوڈا' اوہائیو اور ویومنگ میں مردوں کے لیے ۱۸ سال اور عورتوں کے

لیے ۱۶ سال مقرر ہے۔ سوئزرلینڈ میں مرد ۲۰ سال اور عورت ۱۸ سال کی عمر میں شادی کر سکتی ہے۔ جرمنی میں مرد کے لیے شادی کی عمر ۲۱ سال اور عورت کی عمر ۱۶ سال مقرّر ہے۔ سویڈن میں مرد کی عمر ۲۱ سال اور عورت کے لیے ۱۸ سال مقرّر کی گئی ہے۔''(۱۸)

والدین کی رضامندی

شادی صرف ایک لڑکے اور لڑکی کے ملاپ کا نام نہیں ہے بلکہ معاشرتی طور پر یہ دو گھرانوں اور دو خاندانوں کے ملاپ کا ذریعہ ہے' اسی لیے ہر مذہب میں دُلہا و دلہن کی رضامندی کے ساتھ ان کے والدین اور سرپرست کی رضامندی کو بھی کافی اہمیت دی گئی ہے۔

عیسائی قانون میں بھی والدین کی رضامندی کو کافی اہم قرار دیا گیا ہے اور زیادہ تر رشتہ کا انتخاب والدین ہی کرتے ہیں۔ بائبل میں اس سلسلے میں کافی مثالیں موجود ہیں:

① ہاجرہ نے اپنے بیٹے اسماعیل کے لیے خود بیوی تلاش کی:

''اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔''(۱۹)

② ابراہیم نے اپنے بیالیس سالہ بیٹے اسحٰق کی شادی کا انتظام اپنے نوکر کے ذریعے کروایا:

''اور ابرہام اپنے گھر کے سالخوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا......تو میرے وطن میں میرے رشتہ داروں کے پاس جا کر میرے بیٹے اضحاق کے لیے بیوی لائیگا۔''(۲۰)

③ سِکم نے لڑکی تلاش کر کے والدین کو رشتہ کے لیے کہا:

''اور سِکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لیے بیاہ لا دے''(۲۱)

ان اقتباسات کے باوجود عیسائیت میں والدین کی رضامندی شادی کے لیے لازمی اور ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لیتا ہے تو عیسائی مذہب میں ایسی شادی جائز ہے اور ایسا کرنے والا لڑکا اور لڑکی قانوناً میاں بیوی ہیں۔

کتاب مقدس میں ایسی شادی کا ذکر موجود ہے جو والدین کی رضامندی کے بغیر کی گئی:

''جب عیسو چالیس برس کا ہوا تو اس نے بیری حتی کی بیٹی یہودتھ اور ایلون حتی کی بیٹی بشانتھ سے بیاہ کیا اور وہ اضحاق اور رِبقہ کے لیے وبالِ جان ہوئیں۔'' ⑳

دُلہا اور دُلہن کے ملبوسات

شادی کے موقع پر دلہن کا خوصورت لباس پہننا اور زیور سے آراستہ ہونا کتاب مقدس سے ثابت ہے، مگر کسی خاص لباس کا پہننا ضروری نہیں ہے۔ آج کل عیسائی معاشرہ نے دلہن کے لیے ''سفید رنگ کے لباس'' کو لازم کرلیا ہے۔ ایف ایس خیراللہ لکھتے ہیں:

''دلہن کے لباس میں سونے چاندی کی تاروں کا کام اور کپڑے پر خوبصورت کشیدہ کاری ہوتی تھی (زبور۴۵:۱۴-۱۳) وہ زیور سے آراستہ ہوتی تھی (یسعیاہ۶۱:۱۰) وہ ایک خوبصورت سینہ بند پہنے ہوتی تھی۔'' ㉓

کتاب مقدس میں ہے:

''بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا حسن افروز ہے۔ اس کا لباس زریفت کا ہے۔ وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور پہنچائی جائیگی۔'' ㉔

''میں خداوند سے بہت شادمان ہونگا۔ میری جان میرے خدا میں مسرور ہوگی کیونکہ اس نے مجھے نجات کے کپڑے پہنائے۔ اس نے راست بازی کے خلعت سے مجھے ملبّس کیا جیسے دُلہا سہرے سے اپنے آپکو آراستہ کرتا ہے اور دلہن اپنے زیوروں سے اپنا سنگار کرتی ہے۔'' ㉕

''کیا کنواری اپنے زیور یا دلہن اپنی آرائش بھول سکتی ہے؟'' ㉖

دلہن کا نقاب اوڑھنا (گھونگٹ کرنا)

شادی کے موقع پر دلہن کا نقاب اوڑھنا بھی عیسائی قانون میں موجود ہے۔ بقول ایف ایس خیراللہ:

''اکثر شادی کے وقت نقاب (برقع) اوڑھا جاتا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ شادی کے وقت یعقوب نے لیاہ کو نہ پہچانا۔'' ㉗

کتاب مقدس میں بھی اس کا تذکرہ اشارتاً موجود ہے:

''اور رِبقہ نے نگاہ کی اور اضحاق کو دیکھ کر اونٹ پر سے اتری اور اس نے نوکر سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو ہم سے ملنے کو میدان میں چلا آرہا ہے؟ اس نوکر نے کہا یہ میرا آقا ہے۔ تب اس نے برقع لے کر اپنے اوپر ڈال لیا۔'' ㉘

یعقوب نے بھی اسی برقع کی وجہ سے لیاہ کو نہ پہچانا:

''چنانچہ یعقوب سات برس تک راخل کی خاطر خدمت کرتا رہا......اور جب شام ہوئی تو اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس لے آیا اور یعقوب اس سے ہم آغوش ہوا...... جب صبح کو معلوم ہوا کہ یہ تو لیاہ ہے تب اس نے لابن سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ کیا میں نے جو تیری خدمت کی وہ راخل کی خاطر نہ تھی؟ پھر تو نے مجھے کیوں دھوکا دیا۔'' ㉙

دُلہا کا سہرا

شادی میں صرف دلہن ہی اچھے لباس نہیں پہنتی بلکہ دُلہا بھی زرق برق لباس پہنتا ہے اور سہرا بھی لگاتا ہے۔ بقول ایف ایس خیراللہ:

''دُلہا بھی اچھے اچھے کپڑے پہنتا اور سہرے سے آراستہ ہوتا۔'' ㉚

کتاب مقدس میں ہے:

''میں خداوند سے بہت شادمان ہونگا۔ میری جان میرے خدا میں مسرور ہوگی کیونکہ اس نے مجھے نجات کے کپڑے پہنائے۔ اس نے راست بازی کے خلعت سے مجھے ملبّس کیا جیسے دُلہا سہرے سے اپنے آپکو آراستہ کرتا ہے اور دلہن اپنے زیوروں سے اپنا سنگار کرتی ہے۔'' ㉛

بارات کا تصوّر

بارات کا ذکر عیسائی قانون میں ملتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دُلہا اپنے ساتھیوں کے ساتھ دلہن کے گھر آتا ہے۔ وہاں ان سب کے لیے کھانے کا انتظام ہوتا ہے اور پھر آخر میں دلہن کے ساتھ واپسی ہوتی ہے اور راستے میں گانے گائے جاتے ہیں تاکہ خوشی کا

اظہار کیا جائے۔ قاموس الکتاب کے مصنّف بارات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دُلہا کے ہمراہ بھی اس کے رفیقوں کی جماعت ہوتی تھی ۔ نئے عہد نامہ میں انہیں براتی کہا گیا ہے۔''(۳۲)

کتاب مقدس میں ہے:

''یسوع نے ان سے کہا: کیا براتی جب تک دُلہا ان کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں؟ مگر وہ دن آئینگے کہ دُلہا ان سے جدا کیا جائے گا۔''(۳۳)

باراتیوں کا استقبال

عیسائی شادی میں باراتیوں کے استقبال کا تذکرہ بھی ملتا ہے کہ کنواری لڑکیاں خوبصورت لباس پہن کر، ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دُلہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور دلہن بھی گھر کے دروازے پر آ کر دُلہا کو خوش آمدید کہتی ہے:

''پہلے سے مقرر کردہ وقت پر دُلہا شادی کا لباس پہن کر باراتیوں کے ہمراہ دلہن کے گھر آتا ہے۔ دلہن کی سہیلیاں جن کا ذکر دس کنواریوں کی تمثیل میں بھی آیا ہے، خوبصورت پوشاکیں پہن کر اور ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلتی تھیں۔ گھر کے صدر دروازے پر دلہن عروسی لباس پہنے ہوئے دُلہا کا استقبال کرتی تھی۔''(۳۴)

کتابِ مقدس میں بھی باراتیوں کے استقبال کا ذکر موجود ہے۔ باراتیوں کے استقبال کے لیے کنواری اور خوبصورت لڑکیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے:

''اس وقت آسمانی بادشاہی ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلیں......اور جب دُلہا نے دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں۔ آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دُلہا آ گیا اس کے استقبال کو نکلو۔''(۳۵)

باراتیوں کے لیے کھانا

باراتیوں کے لیے کھانے کا انتظام لڑکی والوں کی طرف سے ہوتا تھا۔ صاحبِ قاموس الکتاب لکھتے ہیں:

''شادی کے دن کی شام کو دُلہا اور اس کے ساتھی جلوس کی صورت میں دلہن کے

گھر جاتے تھے۔ وہاں کھانے کا انتظام ہوتا تھا۔''(۳۶)

کتاب مقدس میں بھی باراتیوں کی ضیافت کے متعلق تذکرہ ملتا ہے۔ باراتیوں کے ساتھ ساتھ اس علاقے کے لوگوں کی ضیافت کا تذکرہ بھی کتاب مقدس سے ثابت ہے مگر ایسا کرنا ان لوگوں پر ہے جو اس کی طاقت رکھتے ہوں:

''اور یعقوب نے لابن سے کہا کہ میری مدت پوری ہوگئی۔ سو میری بیوی مجھے دے تاکہ میں اس کے پاس جاؤں۔ تب لابن نے اس جگہ کے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کی ضیافت کی۔''(۳۷)

''پھر اس کا باپ اس عورت کے ہاں گیا۔ وہاں سمسون نے بڑی ضیافت کی کیونکہ جوان ایسا ہی کرتے ہیں۔''(۳۸)

دلہن کی رخصتی

اس ضیافت کے بعد دُلہا دلہن اور باراتی جلوس کی شکل میں واپس گھر آتے ہیں اور راستے میں خوشی کے اظہار کے لیے گانے بجاتے اور ناچتے گاتے ہیں اور اگر رات کا وقت ہو تو ان کے ہاتھ میں مشعلیں ہوتی ہیں۔ صاحبِ قاموس الکتاب لکھتے ہیں:

''پھر براتی دُلہا دلہن کو لے کر جلوس میں باجا بجاتے اور ناچتے گاتے ہوئے واپس گھر کو آتے تھے۔ اکثر رات کو ان کے ہاتھ میں مشعلیں ہوتی تھیں۔''(۳۹)

بارات سے رخصتی تک کا سفر

پادری کے ایل ناصر بارات سے لے کر دلہن کی رخصتی تک کے مراحل کو تفصیل اور مستند حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

''پہلے سے مقرر وقت پر دُلہا شادی کا لباس پہن کر براتیوں کے ہمراہ دلہن کے گھر آتا تھا (متی ۹:۱۵) دلہن کی سہیلیاں جن کا ذکر دس کنواریوں کی تمثیل میں بھی آیا ہے (متی ۲۵:۱) خوبصورت پوشاکیں پہن کر اور ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلتی تھیں۔ گھر کے صدر دروازے پر دلہن عروسی لباس پہنے ہوئے دُلہا کا استقبال کرتی تھی۔ پھر دلہن کی سہیلیاں اور دُلہا کے براتی ''خوشی اور شادمانی کی آواز کے ساتھ اور دلہے اور دلہن کی آواز کے ساتھ''

واپس دُلہا کے گھر جاتے تھے (یرمیاہ ۷: ۳۴) ابتدائی زمانوں میں بیاہ شادی کی ضیافتیں کافی عرصے تک جاری رہتی تھیں مثلاً سمسون کی شادی کی ضیافتیں ایک ہفتے تک جاری رہی تھیں (قضاۃ ۱۴: ۱۲) بائبل میں شادی کی رسوم کے بارے میں کوئی واضح بیان موجود نہیں ہے سوائے اس کے کہ دلہن کا باپ یا کوئی دیگر بزرگ آدمی اپنی برکات کے ساتھ دلہن کو دُلہا کے سپرد کردیتا تھا (پیدائش ۲۴: ۵۹۔۶۰)۔''[۴۰]

شہ بالا کا تصوّر

ان باراتیوں میں ایک خاص شخص کا ذکر بھی ملتا ہے جو ایک خاص کردار ادا کرتا تھا جسے رفیق، دُلہا کا دوست اور میر مجلس کہا گیا ہے۔ کیتھولک ترجمہ میں رفیق کا ترجمہ شہ بالا کیا گیا ہے اور کتاب مقدس میں اس کا تذکرہ مختلف عبارتوں سے کیا گیا ہے۔ ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں:

> ''ان میں سے ایک جسے دُلہے کا دوست یا شہ بالا کہا گیا ہے، ایک خاص کردار ادا کرتا تھا اسے قضاۃ ۱۴: ۲۰، ۱۵: ۲ میں رفیق (کیتھولک ترجمہ میں شہ بالا) پکارا گیا ہے۔ یوحنا ۳: ۲۹ میں اسے دُلہے کا دوست کہا گیا ہے۔ اس کے ذمہ شادی کے انتظامات کی دیکھ بھال تھی۔ شاید میر مجلس (میر ضیافت) سے بھی یہی شخص مراد ہو یوحنا ۲: ۸، ۹۔''[۴۱]

کتاب مقدس میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

> ''پر سمسون کی بیوی اس کے ایک رفیق کو جسے سمسون نے دوست بنایا تھا، دے دی گئی۔''[۴۲]

> ''اور اس کے باپ نے کہا مجھ کو یقیناً یہ خیال ہوا کہ تجھے اس سے سخت نفرت ہو گئی ہے اس لیے میں اسے تیرے رفیق کو دے دیا۔''[۴۳]

> ''جس کی دلہن ہے وہ دُلہا ہے مگر دُلہا کا دوست جو کھڑا ہوا اس کی سنتا ہے، دُلہا کی آواز سے بہت خوش ہوتا ہے۔''[۴۴]

> ''پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی بھرا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دُلہا کو بلا کر اس سے کہا۔''[۴۵]

پُکار (شادی کا بَرملا اعلان)

''پکار'' عیسائی ازدواج کی ایک خاص اور منفرد رسم ہے۔ اس کا عام فہم مفہوم یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کو اس شادی کی اطلاع فراہم کرنا تا کہ اگر کوئی اس شادی سے خوش نہیں ہے تو وہ شادی ہونے سے پہلے بتا دے یا اگر کسی کو کوئی ایسی قانونی بات معلوم ہے جس کی وجہ سے اس لڑکی اور لڑکے کی شادی نہیں ہو سکتی تو وہ چرچ میں بیان کر دے تا کہ اس شادی کو روکا جا سکے۔ یہ پکار کی رسم یعنی شادی کی اطلاع دینے کی رسم دو مرتبہ ادا کی جاتی ہے ایک مرتبہ شادی سے پہلے اور ایک مرتبہ شادی کی مجلس میں۔

پہلی پکار: جب کسی لڑکے کے لیے کوئی لڑکی یا کسی لڑکی کے لیے کوئی لڑکا منتخب کر لیا جائے اور ان کی شادی کی تاریخ طے ہو جائے تو وہاں کے چرچ میں شادی سے پہلے تین اتواروں کو اس شادی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور تمام لوگوں کو اس شادی کی خبر دی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہے یا کسی کو کوئی ایسی بات معلوم ہے جس کی وجہ سے ان دونوں کا نکاح نہیں ہو سکتا تو وہ چرچ میں آ کر بیان کرے۔

دوسری پکار: دوسری پکار شادی کے موقع پر کی جاتی ہے یعنی عین شادی کے موقع پر۔ وہاں بھی یہی اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسی بات معلوم ہے کہ جس کی وجہ سے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا تو وہ بیان کرے۔

> ''یہ دونوں شخص جو اس وقت یہاں حاضر ہیں، نکاح کی پاک حالت میں شامل ہونے آئے ہیں، اس لیے اگر کوئی معقول سبب بتا سکتا ہے جس کے باعث وہ قانون کی رو سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں تو وہ اب کہے ورنہ بعد اس کے ہمیشہ چپ رہے۔''[۴۶]

پکار کا مقصد

پکار کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عیسائی قانون میں ایک دفعہ شادی ہو جانے کے

بعد اس عہد کے ٹوٹنے یعنی طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس لیے نکاح کرتے وقت بہت احتیاط کی جاتی ہے تا کہ بعد میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اسی لیے پکار میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسا قانونی سبب معلوم تھا جس کی وجہ سے یہ نکاح قانوناً جائز نہیں تھا، مگر وہ شادی سے پہلے نہیں بتاتا۔ اب شادی ہو جانے کے بعد اس کو چاہیے کہ ہمیشہ خاموش رہے اور اب کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

دُلہا و دلہن کا ایجاب وقبول

دنیا کے باقی مذاہب کی طرح عیسائیت میں بھی شادی کے لیے سب سے لازمی اور ضروری چیز دُلہا و دلہن کی رضامندی ہے۔ یہ نکاح کا اہم ترین رُکن ہے اس کے بغیر بیاہ کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ پادری صابر صادق نے اپنی کتاب ''گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا'' میں بڑی تفصیل سے دُلہا و دلہن کے قول وقرار کو بیان کیا ہے:

> ''نکاح کے دن اور وقت مقررہ پر جو حسبِ قانون نکاح کروانا چاہتے ہیں، مرد داہنے ہاتھ اور عورت اس کے بائیں ہاتھ کھڑے ہوں۔''(۴۷)

مرد سے پوچھنا: ''خادم الدین مرد سے یوں کہے...... کیا تم اس عورت...... کو اپنی منکوحہ بیوی ہونے کے لیے قبول کرتے ہو اور یہ وعدہ کرتے ہو کہ اس کے ساتھ خدا کی شریعت کے بموجب نکاح کی پاک حالت میں رہو گے؟ کیا تم بیماری اور تندرستی میں اسے پیار کرو گے؟ اسے تسلی دو گے؟ اس کی عزت کرو گے اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرو گے اور سب اوروں کو چھوڑ کر جب تک تم جیتے رہو، صرف اسی کے ساتھ رہو گے؟''(۴۸)

عورت سے پوچھنا: ''خادم الدین عورت سے یوں کہے...... (لڑکی کا نام) کیا تم اس مرد...... کو اپنا منکوحہ شوہر ہونے کے لیے قبول کرتی ہو اور یہ وعدہ کرتی ہو کہ اس کے ساتھ خدا کی شریعت کے بموجب نکاح کی پاک حالت میں رہو گی؟ کیا تم بیماری اور تندرستی میں اسے پیار کرو گی؟ اس کی عزت کرو گی اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرو گی اور سب اوروں کو چھوڑ کر جب تک تم دونوں جیتے رہو، صرف اسی کے ساتھ رہو گی؟''(۴۹)

اگر عورت اور مرد کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر وہ دونوں اس کے جواب میں ایک دوسرے کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کا عہد کریں گے اور یہ عہد کریں گے کہ ہر خوشی و غمی میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور کسی بھی موقع پر ایک دوسرے کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پادری صابر صادق نے مرد وعورت کے قول وقرار کو الگ الگ اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مرد کا قول وقرار: ''تب خادم الدین مرد کو کہے کہ عورت کا ہاتھ پکڑ لو اور میرے ساتھ یوں کہو: میں...... تجھ...... کو اپنی منکوحہ بیوی قبول کرتا ہوں اور اس دن سے جب تک ہم دونوں جیتے رہیں، بہتر حالت میں اور بدتر حالت میں، امیری اور غریبی میں، بیماری اور تندرستی میں، تجھ سے ملا رہوں گا، تجھے پیار کروں گا اور تیری خبر گیری کروں گا۔''(۵۰)

عورت کا قول وقرار: ''تب خادم الدین عورت سے کہے کہ میرے ساتھ یوں کہو: میں...... تجھ...... کو اپنا منکوحہ شوہر قبول کرتی ہوں اور اس دن سے جب تک ہم دونوں جیتے رہیں، بہتر حالت میں اور بدتر حالت میں، امیری اور غریبی میں، بیماری اور تندرستی میں، تجھ سے ملی رہوں گی، تجھے پیار کروں گی اور تیری خبر گیری کروں گی اور اس ایمان کے ساتھ وعدہ کرتی ہوں۔''(۵۱)

ایجاب وقبول میں شخصی نام نہ لینا

عمومی قاعدہ وقانون یہی ہے کہ مرد اور عورت ایجاب وقبول کرتے ہوئے اپنا نام لیں مثلاً یوں کہیں: میں فلاں بن فلاں اس فلاں لڑکی کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص ایجاب وقبول کرتے ہوئے اپنا یا اپنی ہونے والی بیوی کا نام نہ بھی لے اور بس اتنا کہہ دے کہ میں اس لڑکی کو اپنی بیوی بناتا ہوں تو یہ بھی جائز ہے۔ پادری صابر صادق لکھتے ہیں:

> ''اگر یہ بھی مناسب معلوم ہو کہ اقرار میں شخصی نام نہ آئے تو اجازت ہے کہ آدمی خادم الدین کے ساتھ کہے: میں اس عورت کو اپنی منکوحہ بیوی وغیرہ اور عورت کہے: میں اس مرد کو اپنا منکوحہ شوہر وغیرہ۔''(۵۲)

ایجاب وقبول کے وقت ہاتھ نہ پکڑنا

عیسائی قانونِ ازدواج میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ مرد اور عورت شادی کا عہد کرتے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ کو پکڑیں اور ہاتھ ملائیں، لیکن اگر مرد وعورت قبول کرتے وقت ہاتھ نہ بھی ملائیں تو اس کی اجازت ہے اور اس کے بجائے گھٹنے زمین پر ٹیک کر کھلے ہوئے پاک کلام پر ہاتھ رکھ کر خادم الدین کے ساتھ اقرار کریں:

’’اگر مناسب جانیں کہ آدمی اور عورت ہاتھ نہ ملائیں تو اجازت ہے کہ اس کے بجائے دونوں گھٹنے ٹیکیں اور ساتھ ساتھ ہاتھ کھلے ہوئے پاک کلام پر رکھیں۔ جس وقت وہ خادم الدین کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔‘‘(۵۳)

انگوٹھی پہنانے کی رسم

انگوٹھی کی یہ رسم دُلہا ودلہن کے قول وقرار کے وقت ادا کی جاتی ہے۔ یہ انگوٹھی شادی اور کامل اتحاد کی علامت ہوتی ہے۔ یہ اس عہد کی یاد دلاتی ہے جو دُلہا دلہن نکاح کے وقت کرتے ہیں۔ آرچ بشپ لارنس سلڈانہ لکھتے ہیں:

’’انگوٹھی: جس طرح انگوٹھی کے دائرے کی کوئی حد نہیں اسی طرح انگوٹھی نئے جوڑے کے کامل اتحاد کی علامت ہے اور اس عہد کی مستقل یادداشت ہے جو انہوں نے نکاح کے وقت باندھا ہے۔‘‘(۵۴)

سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا کے مدیر لکھتے ہیں:

’’اور مرد چاہے تو وہ ایک چھلا خادم الدین کو دے اور خادم الدین چھلے کو لے اور یوں کہے: شادی کا چھلا اس اندرونی اور روحانی عقد کا بیرونی اور ظاہری نشان ہے جس سے دو وفادار دل دائمی محبت کے بند میں باندھے جاتے ہیں۔ تب خادم الدین اس چھلے کو دے کر مرد سے کہے کہ عورت کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہناؤ اور میرے ساتھ ساتھ کہو: اپنے باہمی عہد وپیمان کی نشانی میں اس چھلے سے میں تجھے بیاہتا ہوں اور اپنا دنیوی مال تجھے دیتا ہوں۔‘‘(۵۵)

دامن پھیلانے کی رسم

عیسائی شادی کی رسومات میں سے ایک رسم ’’دامن پھیلانا‘‘ بھی ہے جو نکاح کی مجلس میں ایجاب وقبول کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ اس کا عام فہم مفہوم یہ ہے: مرد کا اپنی بیوی پر اپنا دامن پھیلا کر اس کو اپنی نگرانی میں لینا۔ یعنی شادی سے پہلے عورت اپنے والدین کی حفاظت اور نگرانی میں تھی اور اب اس نکاح کی وجہ سے مرد کی حفاظت میں آ گئی ہے اور مرد اس کی حفاظت کرنے کا عہد کرتا ہے۔ بقول ایف ایس خیر اللہ:

’’اس رسم کے مطابق مرد عورت پر اپنا دامن پھیلاتا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب اس عورت کی حفاظت اور نگرانی وہ اپنے ذمہ لیتا ہے اور عورت پر اس کے سوا کسی اور کا اختیار نہیں۔‘‘(۵۶)

کتاب مقدس میں بھی اس رسم کا تذکرہ ملتا ہے:

’’پھر میں نے تیری طرف گزر کیا اور تجھ پر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ تو عشق انگیز عمر کو پہنچ گئی ہے۔ پس میں نے اپنا دامن تجھ پر پھیلایا اور تیری برہنگی کو چھپایا اور قسم کھا کر تجھ سے عہد باندھا — خداوند خدا فرماتا ہے — اور تو میری ہوگئی۔‘‘(۵۷)

دوسری جگہ اس رسم کو یوں بیان کیا گیا ہے:

’’تب اس نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تیری لونڈی روت ہوں۔ سو تو اپنی لونڈی پر اپنا دامن پھیلا دے کیونکہ تو نزدیک کا قرابتی ہے۔‘‘(۵۸)

برکت دینے کی رسم

عیسائی شادی کی رسومات میں سے ایک رسم ’’برکت دینے کی رسم‘‘ ہے۔ عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے: والدین اور دوست احباب کا اس نئے شادی شدہ جوڑے کے لیے دعا دینا اور ان کو شادی کی مبارکباد دینا۔ بالخصوص ان کی آنے والی زندگی کی خوشحالی اور آپس میں پیار محبت کے ساتھ رہنے کی دعا کرنا۔ قاموس الکتاب کے مصنف اس برکت دینے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’عقدِ نکاح اور آپس کے عہد وپیمان کے بعد والدین اور دوست نئے جوڑے کو

برکت دیتے تھے۔‘‘ (۵۹)

کتابِ مقدس میں بھی کئی مقامات پر اس رسم کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً:

’’تب سب لوگوں نے جو پھاٹک پر تھے اور ان بزرگوں نے کہا کہ ہم گواہ ہیں۔ خداوند اس عورت کو جو تیرے گھر آئی ہے راخل اور لیاہ کی مانند کرے جن دونوں نے اسرائیل کا گھر آباد کیا اور تو افراتہ میں تحسین و آفرین کا کام کرے اور بیت اللحم میں تیرا نام ہو۔ اور تیرا گھر اس نسل سے جو خداوند تجھے اس عورت سے دے فارص کے گھر کی طرح ہو جو یہوداہ سے تمر کو ہوا۔‘‘ (۶۰)

رِبقہ کی شادی میں اس رسم کا تذکرہ بایں الفاظ ملتا ہے:

’’تب انہوں نے اپنی بہن رِبقہ اور اس کی دایہ اور ابرہام کے نوکر اور اس کے آدمیوں کو رخصت کیا۔ اور انہوں نے رِبقہ کو دعا دی اور اس سے کہا: اے ہماری بہن تو لاکھوں کی ماں ہو اور تیری نسل اپنے کینہ رکھنے والوں کے پھاٹک کی مالک ہو۔‘‘ (۶۱)

خطبۂ نکاح

شادی کے موقع پر دُلہا و دلہن کو نصیحتیں کرنا اور مذہبی کتاب کی تلاوت کرنا تمام مذاہب میں اچھا اور مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔ عیسائیت میں بھی خطبۂ نکاح کا تصور موجود ہے مگر اس کی حیثیت صرف مستحب کی ہے کہ پادری نکاح کے موقع پر فریقین کو پیار و محبت سے رہنے کی تلقین کرے۔ یہ خطبہ فرض نہیں ہے کہ اس کے بغیر ہونے والی شادی کو ہم شادی ہی تصور نہ کریں۔

اسی طرح اس خطبہ کے کوئی مخصوص الفاظ بھی نہیں ہے۔ پادری جو چاہے یا موقع و مناسبت سے کچھ نصیحتیں کر سکتا ہے جن کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہو۔ ’’سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا‘‘ میں ان نصیحتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

ایجاب وقبول سے پہلے کی دعا

عیسائیت کی مذہبی کتابوں میں لڑکا لڑکی کے ایجاب وقبول کرنے سے پہلے، ایجاب

وقبول کے وقت اور اس کے بعد کی دعائیں بھی مذکور ہیں:

’’خادم الدین یوں کہے: اے عزیزو! ہم یہاں خدا کے حضور اور ان گواہوں کے روبرو جمع ہوئے ہیں کہ اس مرد اور اس عورت کو پاک نکاح کے عقد میں باندھیں۔ چنانچہ یہ ایک معزز رسم ہے جسے خدا نے انسان کی بے گناہی کی حالت میں مقرر کیا اور جس سے وہ باطنی میل و ملاپ ظاہر ہوتا ہے جسے مسیح نے قانائے گلیل میں اپنی حاضری اور پہلے معجزے سے رونق و زینت بخشی۔ اس لیے کوئی جلدی کر کے بے فکری سے اس عقد کی پابندی نہ کرے بلکہ سنجیدگی و امتیاز اور خدا کے ساتھ اس میں ہاتھ لگائے۔ یہ دونوں شخص جو اس وقت یہاں حاضر ہیں نکاح کی پاک حالت میں شامل ہونے آئے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی معقول سبب بتا سکتا ہے جس کے باعث وہ قانون کی رو سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں تو وہ اب کہے ورنہ بعد اس کے ہمیشہ چپ رہے۔ تب خادم الدین ان شخصوں سے جو نکاح کروانے آئیں ہیں، یوں کہے: میں تم دونوں سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کوئی ایسے سبب سے واقف ہو کہ جس کے باعث تم اپنا نکاح قانوناً نہیں کروا سکتے تو ابھی اس کا اقرار کرو اور خوب یاد رکھو کہ جو کوئی خدا کے کلام کے خلاف عقد کرتا ہے ان کے نکاح کو خدا قبول نہیں کرتا اور نہ ان کا نکاح جائز ہوتا ہے۔‘‘ (۶۲)

ایجاب وقبول کے وقت کی دعا

’’تب خادم الدین ان کے دہنے ہاتھ ملا دے اور کہے: چونکہ......اور...... نے پاک نکاح پر آپس میں اتفاق کیا ہے اور ان دونوں نے خدا کے حضور اور اس جماعت کے روبرو اس کا اقرار بھی کیا ہے اور ایک دوسرے کو ایمان سے قبول کیا ہے اور ہاتھوں کے ملانے سے (یا بائبل پر ہاتھ رکھنے سے) اس کو ظاہر کیا ہے اس لیے میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے ان کو شوہر اور بیوی کہتا ہوں۔ جن کو خدا نے جوڑا ان کو کوئی جدا نہ کرے۔‘‘ (۶۳)

ایجاب وقبول کے بعد کی دعا

لارنس سلڈانہ نے اپنی کتاب میں شادی کے موقع پر کی جانے والی خاص دعا کا

بھی ذکر کیا ہے جو ایجاب وقبول سے فارغ ہونے کے بعد کی جاتی ہے:

''اے قادر مطلق، قدوس اور زندہ آسمانی باپ! آج ہم تیرے بندے اور بندیاں اس جگہ پر اکھٹے ہوئے ہیں تا کہ ہم اس نو بیاہتا جوڑے کے لیے دعا کر سکیں۔ اے خداوند تو ان دونوں کو اپنا خاص فضل اور برکت دے اور انہیں یہ توفیق عطا کر کہ وہ ہمیشہ تک ایک دوسرے کے ساتھ پیار ومحبت اور صلح سلامتی سے رہیں۔ اے مہربان باپ تو اس نئے جوڑے کی ہمیشہ مدد کر اور انہیں ہمت اور حوصلہ بخش کہ وہ ہمیشہ وہی کام کریں جو تیرے مقبولِ نظر ہوں۔ اے خداوند ہم اس نئے جوڑے کے خاندانوں کے لیے بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ایمان میں مضبوط کریں۔ اے مہربان باپ تو انہیں آئندہ زندگی میں خوشی، خوشحالی، تندرستی اور عمر درازی کی نعمتیں بخش۔ مسیح ہمارے خداوند کے وسیلے سے۔ آمین!''[۶۴]

مہر کا تصور

''مہر'' عربی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی میں اس کے لیے ''موہر'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ مہر وہ رقم ہے جو عورت کو نکاح کے وقت خاوند کی طرف سے دی جاتی ہے، جبکہ موہر وہ رقم ہے جو شادی کے وقت لڑکی کے بجائے لڑکی کے والدین کو دی جاتی ہے۔ قاموس الکتاب کے مطابق:

''عبرانی موہر، عربی مہر۔ عبرانی اور عربی استعمال کا فرق غور طلب ہے۔ عربی لفظ مہر سے وہ روپیہ یا جنس مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد کے لیے عورت کو دینا مقرر تھا۔ عبرانی میں اس رقم کو موہر کہا گیا ہے جو لڑکے والے لڑکی کے والدین کو پیش کرتے ہیں۔''[۶۵]

بائبل کے مطابق مہر پر عورت کا حق نہیں

عیسائیت میں ہمیں مہر کا ذکر ملتا ہے مگر یہ مہر بیوی کے لیے نہیں ہوتا اور نہ بیوی اس کی قانوناً حق دار ہوتی ہے، بلکہ یہ مہر لڑکی کے گھر والوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ قانوناً اس کے مالک ہوتے ہیں۔ کتاب مقدس میں ہے:

''میں تمہارے کہنے کے مطابق جتنا مہر اور جہیز تم مجھ سے طلب کرو، دوں گا لیکن لڑکی کو مجھ سے بیاہ دو۔''[۶۶]

''اگر کوئی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو، پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔ لیکن اگر اس کا باپ راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے مہر دے۔''[۶۷]

مہر کی اوسط رقم

ذیل میں بیان کردہ اقتباس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ رقم جو لڑکا، لڑکی کے بدلے اس کے باپ کو دیتا ہے وہ ''چاندی کے پچاس مثقال'' ہیں۔ کتاب مقدس میں ہے:

''اگر کسی مرد کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں۔ تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔''[۶۸]

کنوارا ہونا (بکارت) مہر کی شرط

عیسائیت میں مہر کے لیے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ عورت کنواری ہو۔ اگر عورت شادی شدہ ہو یا کسی ناجائز تعلق کی بنا پر اس کا کنوارا پن ختم ہو گیا ہو تو پھر مہر نہیں ہوگا۔ کتاب مقدس کی عبارت اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتی ہے:

''اگر کوئی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔ لیکن اگر اس کا باپ راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے مہر دے۔''[۶۹]

کتاب مقدس کی اس عبارت اور اس جیسی کئی عبارتوں میں ''کنواری'' کا لفظ موجود ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مہر کے لیے لڑکی کا کنوارا ہونا شرط ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر لڑکی کنواری نہ ہو تو اس کو مہر وغیرہ ادا کرنا ضروری نہیں

ہے۔مہر مقرر کرنے کی حکمت کے بارے میں صاحبِ قاموس لکھتے ہیں:

> ''بعض علماء نے اسے لڑکی کی قیمت تصور کیا ہے' لیکن لڑکی ایک غلام کی طرح خریدی اور بیچی نہیں جاتی تھی......لڑکی کے جانے سے خاندان میں کام کرنے کے لیے ایک فرد کم ہوجاتا تھا لہٰذا مہر لڑکی کے خاندان کے مالی نقصان کی تلافی تھی۔ یہ رقم اس بات کی بھی ضمانت تھی کہ مرد بغیر سوچے سمجھے لڑکی کو طلاق نہ دے۔''(۷۰)

مہر صحتِ نکاح کے لیے لازم نہیں

ایک طرف تو یہ مہر عورت کا حق نہیں ہے تو دوسری طرف یہ مہر شادی کے لیے لازم بھی نہیں ہے۔اس کے بغیر بھی شادی وقوع پذیر ہوسکتی ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں: ① لڑکی کے والدین مہر لینے سے انکار کردیں۔ ② دونوں فریق مہر کے اسقاط پر راضی ہوجائیں۔مہر کے بغیر کیا گیا نکاح قانوناً اور مذہباً صحیح شمار ہوگا۔کتاب مقدس میں ہے:

> ''تب ساؤل نے کہا تم داؤد سے کہنا کہ بادشاہ مہر نہیں مانگتا۔''(۷۱)

تعدّدِ اَزدواج

عیسائیت کی مذہبی کتب سے عام تصور ایک ہی بیوی کا ملتا ہے لیکن زیادہ بیویوں کی مثالیں بھی اس میں موجود ہیں' مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں (سارہ' ہاجرہ اور قطورہ) کا تذکرہ بائبل میں موجود ہے۔اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویوں (لیاہ' راخِل' بلہاہ اور زلفہ) کا تذکرہ بھی کتاب مقدس میں موجود ہے' جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عیسائیت میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہے۔محمد مظہر الدین صدیقی عیسائیت کے تعدد ازدواج کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''عہد نامہ جدید میں ایک شادی کرنے کو پسندیدہ فعل تو ضرور قرار دیا گیا ہے لیکن بجز اساقفہ کے اور کسی عیسائی کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی۔تعدد ازدواج کے مخالفین اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ عیسائیت کو ایسا کرنے کی ضرورت اس وجہ سے محسوس نہیں ہوئی کہ جن لوگوں میں اس مذہب کی

> تبلیغ کی گئی ان میں یہ رسم رائج ہی نہ تھی لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔عیسائیت کے اولین مخاطب یہود تھے جو پہلی صدی عیسوی میں تعدد ازدواج کی رسم پر عامل تھے۔بعض عیسائی علماء نے یہودی علماء اور احبار کو اسی بنا پر مطعون کیا کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرتے تھے لیکن ابتدائے عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعددِ ازدواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی بادشاہوں نے علانیہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔لیکن کلیسا نے اس پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔چنانچہ شارلمین نے دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کے علاوہ کئی ایک داشتہ عورتیں رکھ چھوڑی تھیں اور اس کے قوانین کے مِن جملہ ایک قانون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی رسم عیسائی ممالک میں بالکل ناپید نہ تھی۔''(۷۲)

عیسائی محققین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہے اور یہ ایک فائدہ مند اور قابلِ عمل چیز ہے۔مشہور عیسائی فلسفی ''سر طامس مور'' نے خود تعددِ ازدواج کو جائز قرار دے کر اس کو فائدہ مند قرار دیا ہے:

> ''مرد کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں کو مباح کردیا جائے۔یہی ایک دوا ہے جو تمام مہلک امراض کے حق میں تریاق ہے اور یہی وہ تیر بہدف نسخہ ہے جو سوسائٹی کے زہریلے جراثیم کو تباہ کردیتا ہے۔یورپ میں سب سے بڑی بیماری اور متعدّی بَلا یہ ہے کہ یہاں کے مردوں نے محض ایک عورت پر اکتفا کرلیا ہے۔یہی وہ تجدید ہے جس نے موجودہ زمانے میں ہماری لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے اور برسرِ بازار زنا اور فحش کاری کرنے' غرض یہ کہ دنیا بھر کی برائیوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بننے کے لیے آمادہ کیا ہے۔''(۷۳)

ایک مشہور امریکی جریدے نے بائبل میں کثیر الازدواجی کے بارے میں لکھا ہے:

> ''گناہوں کی وجہ سے بنی اسرائیل کو جنگوں کا سامنا کرنا پڑا جیسے انہوں نے بھی قدیم اقوام پر مسلّط کی تھیں۔جنگوں میں ہزار ہا نوجوان کام آئے۔ہزاروں عورتیں بیوہ اور بغیر شادی کے رہ جاتیں۔کثیر الازدواجی (اگرچہ مثالی چیز نہ تھی) سے ان عورتوں کو معاشرہ میں معقول' مستحکم مقام حاصل ہوجاتا اور وہ جنسی بے راہ روی یا

> بے بیاہی مائیں بننے سے بچ جاتیں۔''[74]

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عیسائی ازدواجی قانون میں تعدد ازدواج کو اگرچہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا مگر پھر بھی اس سے منع نہیں کیا گیا اور نہ اس پر کوئی پابندی لگائی گئی ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عیسائیت میں تعدد ازدواج منع نہیں ہے۔

بیوہ کا نکاحِ ثانی

اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس عورت کو عیسائی قانون میں دوبارہ اپنا گھر بسانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس پر کوئی قید یا پابندی نہیں لگائی گئی کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ کتاب مقدس میں ہے:

> ''جب تک عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے پر جب اس کا شوہر مرجائے تو جس سے چاہے وہ بیاہ کرسکتی ہے۔''[75]

کتاب مقدس میں دوسری جگہ اس مضمون کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے:

> ''چنانچہ جس عورت کا شوہر موجود ہے وہ شریعت کے موافق اپنے شوہر کی زندگی تک اس کے بند میں ہے لیکن اگر شوہر مرگیا تو وہ شوہر سے چھوٹ گئی۔ اگر شوہر کے جیتے جی دوسرے مرد کی ہو جائے گی تو زانیہ کہلائے گی لیکن شوہر مر جائے تو وہ اس شریعت سے آزاد ہے۔ یہاں تک کہ اگر دوسرے مرد کی ہو بھی جائے تو زانیہ نہ ٹھہرے گی۔''[76]

بیوہ سے نکاح کی تفصیل

کتاب مقدس کی مندرجہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عورت اپنے شوہر کے مرجانے کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور عیسائی قانون اس کی اجازت دیتا ہے' مگر یہ بھی ذہن میں رہے کہ بیوہ صرف اپنے دیور سے بیاہ کرسکتی ہے اور کسی سے نہیں۔ اس کی تفصیل کتاب مقدس میں موجود ہے:

> ''اگر کئی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے اور اس عورت کے جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا۔ تب اس کے شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں ہے۔ تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر اس کے پاؤں سے جوتی اتارے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔ تب اسرائیلیوں میں اس کا نام پڑ جائے گا کہ یہ اُس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اتاری گئی تھی۔''[77]

مطلّقہ کا نکاحِ ثانی

ماقبل ہم نے یہ بیان کیا کہ عیسائی قانون میں بیوہ کے نکاح پر کوئی پابندی نہیں ہے' مگر دوسری طرف عیسائی قانون مطلّقہ کو نہ تو نکاح ثانی کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی کسی مرد کو اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی طلاق یافتہ سے بیاہ کرے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بغیر کسی وجہ کے طلاق دے اور وہ کسی سے بیاہ کر لے تو یہ اس شوہر کا گناہ ہے کہ اس نے بلاوجہ اس کو طلاق دے کر اسے زنا پر مجبور کیا۔ کتاب مقدس میں ہے:

> ''لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔''[78]

اسی طرح اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ کرے یا کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ کرے تو یہ بیاہ نہیں زنا شمار ہوگا۔ کتاب مقدس میں ہے:

> ''جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ

کرے تو وہ زنا کرتی ہے۔"(۷۹)

کتاب مقدس میں اس بات کو کئی مقامات پر مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ طلاق یافتہ کا دوسرا بیاہ کرنا یا طلاق یافتہ سے کسی مرد کا بیاہ کرنا "زنا" شمار ہوگا۔

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔"(۸۰)

"جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو شخص شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔"(۸۱)

اس بحث کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح ثانی تو عیسائی قانون میں جائز ہے' لیکن مطلقہ کا نکاح کسی صورت بھی جائز نہیں ہے' بلکہ مطلقہ سے نکاح کرنا زنا کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

زنا اور اس کی سزا

دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے جو شادی کے بغیر مرد و عورت کے تعلق کو جائز قرار دیتا ہو۔ ہر تہذیب اور معاشرہ میں ایسے تعلق کو برا تصور کیا جاتا ہے اور ایسے جرم کے مرتکب کو سخت سزا دی جاتی ہے تاکہ معاشرہ کو اس برائی سے پاک رکھا جا سکے۔ آسمانی مذاہب میں تو اس فعل کی سزا موت ہے اسی لیے ان مذاہب میں مخلوط محفلوں سے بھی منع کیا گیا ہے جو زنا جیسے بُرے فعل کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ کتاب مقدس میں اس بارے میں کافی تفصیل موجود ہے:

"اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔"(۸۲)

دوسری جگہ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔"(۸۳)

زنا بالجبر کی سزا

اگر کوئی شخص کسی شادی شدہ لڑکی سے زبردستی زنا کرے تو اس صورت میں مجرم صرف مرد ہوگا اور اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ کتاب مقدس میں ہے:

"اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی ہی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے۔ پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا' کیونکہ لڑکی کا ایسا کوئی گناہ نہیں جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرے۔"(۸۴)

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم

عیسائی قانون میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کنواری لڑکی سے زبردستی صحبت کر لے تو اب وہ لڑکی ہر صورت میں اس کی بیوی بنے گی اور وہ آدمی ساری زندگی اسے طلاق نہیں دے سکتا۔ کتاب مقدس میں ہے:

"اگر کسی مرد کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں۔ تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔"(۸۵)

یہ مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

"اگر کوئی کسی کنواری لڑکی کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو' پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔"(۸۶)

خلاصۂ بحث

عیسائیت کے قانون ازدواج کی تفصیل تو ہمیں نہیں ملتی مگر جو مجمل تذکرہ ملتا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس مذہب میں بھی ہندومت اور یہودیت کی طرح عورت کو ایک بری چیز تصور کیا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کو گناہ کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ اس مذہب

کے پیروکار یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو منع کردہ درخت کا پھل کھانے پر حضرت حوا علیہا السلام نے اُکسایا اس لیے اسے حیض کی گندگی اور بچہ جننے کی مشقّت دی گئی۔ ڈاکٹر خالد علوی عیسائیت میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مسیحیوں کے ہاں ایک مدت تک یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت کے اندر روح بھی ہے یا نہیں اور بالاخر یہ فیصلہ ہوا کہ اس کے اندر روح تو ہے لیکن بڑی خبیث روح۔''[۴۷]

عیسائیت میں عمومی طور پر شادی بیاہ سے اجتناب کا تصور ملتا ہے اور ازدواج سے پرہیز کو تقویٰ اور بلند اخلاق کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خود کی شادی نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ یورپ میں ازدواجی تعلق کے نجس ہونے کا خیال بہت سے طریقوں سے مسیحیوں کے دل و دماغ میں بیٹھایا جاتا ہے۔ اس بارے میں سید مودودی فرماتے ہیں:

> ''جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے پہلے کی رات میاں بیوی نے یکجا گزاری ہو وہ تہوار میں شریک نہیں ہو سکتے۔ گویا انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے آلودہ ہونے کے بعد وہ کسی مقدس مذہبی کام میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہے۔''[۴۸]

مسیحیوں میں طلاق کا تصور نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس تصور کو اُجاگر کر کے لوگوں کو ازدواج سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

الغرض وہ مذہب جس کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ڈالی اور اسے ایک فطرتی دین کی صورت میں رائج کیا، اس میں کئی طرح سے تحریفات کر کے اسے ایک اُلجھا ہوا دین بنا دیا گیا جس کے قانون خاص کر ازدواجی قانون فطرت سے دور نظر آتے ہیں۔

حواشی (باب چھارم)

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۴، ص ۲۴۸۔
② اسلام اور عورت، ص ۲۲۔
③ کرنتھیوں، باب ۷: ۳-۴، ص ۱۵۸۔
④ پردہ، ص ۲۶۔
⑤ خواتینِ ملّت، ص ۲۹۔
⑥ پردہ، ص ۲۵۔
⑦ پیدائش، باب ۲۱: ۱۲، ص ۲۰۔
⑧ ایضاً، باب ۲۴: ۲ تا ۴، ص ۲۲۔
⑨ پیدائش، باب ۳۴: ۴، ص ۳۵۔
⑩ ایضاً، باب ۲۶: ۳۴-۳۵، ص ۲۶۔
⑪ قاموس الکتاب، ص ۵۵۹۔
⑫ سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۰۷-۳۰۸۔
⑬ ایضاً، ص ۳۰۸۔
⑭ خاندانی عبادت، ص ۶۶۔
⑮ بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۵۰۔
⑯ استثناء، باب ۲۲: ۲۳-۲۴، ص ۱۸۷۔
⑰ بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۴۹-۱۵۰۔
⑱ شادی کی تاریخ، ص ۱۵۷۔
⑲ بائبل، پیدائش، باب ۲۱: ۲۱، ص ۲۰۔
⑳ ایضاً، باب ۲۴: ۲ تا ۴، ص ۲۲۔
㉑ ایضاً، باب ۳۴: ۴، ص ۳۵۔
㉒ ایضاً، باب ۲۶: ۳۴-۳۵، ص ۲۶۔
㉓ قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

۲۴ زبور، باب ۴۵: ۱۳-۱۴، ص ۵۵۴۔

۲۵ یسعیاہ، باب ۶۱: ۱۰، ص ۷۰۹۔

۲۶ یرمیاہ، باب ۲: ۳۲، ص ۷۱۶۔

۲۷ قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

۲۸ پیدائش، باب ۲۴: ۶۴-۶۵، ص ۲۴۔

۲۹ ایضاً، باب ۲۹: ۲۰ تا ۲۵، ص ۳۰۔

۳۰ قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

۳۱ یسعیاہ، باب ۶۱: ۱۰، ص ۷۰۹۔

۳۲ قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

۳۳ متی، باب ۹: ۱۵، ص ۱۲۔

۳۴ بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۵۱۔

۳۵ متی، باب ۲۵: ۱ تا ۷، ص ۲۹۔

۳۶ ایف ایس خیر اللہ، قاموس الکتاب، ص ۵۲۰۔

۳۷ پیدائش، باب ۲۹: ۲۱ تا ۲۳، ص ۳۰۔

۳۸ قضاۃ، باب ۱۴: ۱۰، ص ۲۴۵۔

۳۹ قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

۴۰ بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۵۰-۱۵۱۔

۴۱ قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

۴۲ قضاۃ، باب ۱۴: ۲۰، ص ۲۵۶۔

۴۳ ایضاً، باب ۱۵: ۲، ص ۲۵۶۔

۴۴ یوحنا، باب ۳: ۲۹، ص ۸۴۔

۴۵ یوحنا، باب ۲: ۹-۸، ص ۸۲-۸۳۔

۴۶ گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۰۹۔

۴۷ گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۰۱۔

۴۸ ایضاً، ص ۳۱۰۔

۴۹ ایضاً، ص ۳۱۰۔

۵۰ ایضاً، ص ۳۱۱۔

۵۱ ایضاً، ص ۳۱۱۔

۵۲ گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۱۲-۳۱۱۔

۵۳ ایضاً، ص ۳۱۱۔

۵۴ خاندانی عبادت، ص ۱۵۵۔

۵۵ گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسیا، ص ۳۱۲۔

۵۶ قاموس الکتاب، ص ۵۶۱۔

۵۷ حزقی ایل، باب ۱۶: ۸، ص ۷۹۰۔

۵۸ روت، باب ۳: ۹، ص ۲۵۷۔

۵۹ قاموس الکتاب، ص ۵۶۱۔

۶۰ روت، باب ۴: ۱۱-۱۲، ص ۲۵۸۔

۶۱ پیدائش، باب ۲۵: ۵۹-۶۰، ص ۲۴۔

۶۲ سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسیا، ص ۳۰۹-۳۱۰۔

۶۳ ایضاً، ص ۳۱۲-۳۱۳۔

۶۴ خاندانی عبادت، ص ۶۵-۶۶۔

۶۵ قاموس الکتاب، ص ۵۵۹۔

۶۶ پیدائش، باب ۳۴: ۱۲، ص ۳۵۔

۶۷ خروج، باب ۲۲: ۱۶-۱۷، ص ۷۴۔

۶۸ استثناء، باب ۲۲: ۲۸-۲۹، ص ۱۸۸۔

۶۹ خروج، باب ۲۲: ۱۶، ص ۷۴۔

۷۰ ایضاً، ص ۵۵۹-۵۶۰۔

۷۱ سموئیل، باب ۱۸: ۲۵، ص ۲۷۹۔

۷۲ اسلام میں حیثیتِ نسواں، ص ۱۶۴-۱۶۵۔

۷۳ عورت انسانیت کے آئینہ میں، ص ۱۷۷-۱۷۸۔

(۷۴) The Plain Truth, March 1988, P23.

(۷۵) کرنتھیوں، باب ۷: ۲۶۔۲۷، ص ۱۵۸۔

(۷۶) رومیوں، باب ۷: ۲۔۳، ص ۱۴۵۔

(۷۷) استثناء، باب ۲۵: ۵ تا ۱۰، ص ۱۹۰۔

(۷۸) متی، باب ۵: ۳۲، ص ۸۔

(۷۹) مرقس، باب ۱۰: ۱۱۔۱۲، ص ۴۴۔

(۸۰) متی، باب ۱۹: ۹، ص ۲۳۔

(۸۱) لوقا، باب ۱۶: ۱۸، ص ۱۷۔

(۸۲) استثناء، باب ۲۲: ۲۲، ص ۱۸۷۔

(۸۳) ایضاً، باب ۲۲: ۲۳۔۲۴، ص ۱۸۷۔

(۸۴) ایضاً، باب ۲۲: ۲۵۔۲۶، ص ۱۸۷۔

(۸۵) استثناء، باب ۲۲: ۲۸۔۲۹، ص ۱۸۸۔

(۸۶) خروج، باب ۲۲: ۱۶، ص ۴۷۔

(۸۷) اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۹۷۔

(۸۸) پردہ، ص ۲۶۔

باب پنجم

اسلام

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

اسلام میں شادی بیاہ کی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے فرستادہ انبیاء اور رُسل کے سلسلے کی تکمیل چاہی تو اللہ نے اس سلسلے کے سردار سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر مبعوث کیا اور حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے کائناتِ انسانی کو اسلام جیسا بے مثال دین اور قرآن پاک جیسا بے نظیر ولازوال معجزہ عطا کیا جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کے متعلق مکمل نظام پیش کیا گیا ہے۔اس آخری آسمانی کتاب کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمّہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اس لیے اس کی تعلیمات قیامت تک تحریف سے پاک رہیں گی۔دوسری آسمانی کتابوں میں تو ان کے پیروکاروں نے خود تحریف کر دی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں کئی مقامات پر موجود ہے۔

ان قرآنی احکامات کی نبی کریم ﷺ نے نہ صرف زبانی تفسیر بیان کی بلکہ ان کا عملی نمونہ بھی پیش کیا جو ہمارے پاس آج بھی احادیث مبارکہ کی روشنی میں بعینہٖ موجود ہے۔

دین اسلام کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں مکمل اور تفصیلی احکام اسلامی تعلیمات میں نہ ہوں۔ باقی نظاموں کی طرح اسلام کا ازدواجی نظام بھی ایک مکمل، مفصّل اور افراط وتفریط سے پاک نظام ہے جس کی تمام شقیں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور عمل کرنے کے لیے بھی بہت آسان ہیں۔ بقول ڈاکٹر خالد علوی:

"اسلام کا ادارۂ ازدواج ایک مرتّب نظام ہے اس میں نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار اور لعان وغیرہ شامل ہیں۔اس کی ہر ایک شق انسانی مزاج اور اس کی فلاح

کے عین مطابق ہے۔یہ ادارہ انسانی اجتماعیہ کی بنیاد ہے۔اگر اس کی تنظیم صحیح طریق پر ہو تو یوں سمجھئے کہ کوئی معاشرتی فساد رونما نہیں ہوگا۔"①

عبدالمجید دہلوی نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کے متعلق رقم طراز ہیں:

"سرکارِ دوعالم ﷺ کی حیاتِ ازدواجی بھی اپنے اندر پوری کشش رکھتی ہے اور آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا یہ پہلو بھی اتنا روشن اور منوّر ہے کہ دنیا آج بھی اس نور کے ضیاء سے اپنے گھروں کے ازدواجی اندھیروں کو دور کر سکتی ہے۔"②

ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل سے عائلی اور خاندانی معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"قرآن حکیم میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ جو احکام دیے گئے ہیں وہ خاندانی نظام اور عائلی معاملات ہی سے متعلق ہیں۔اس لیے کہ انسانی تمدن کی جڑ اور بنیاد یہی ہے۔ یہاں سے خاندان بنتا ہے اور خاندانوں کے اجتماع کا نام معاشرہ ہے۔ پاکستانی معاشرے کی مثال لے لیجیے۔اگر ہماری آبادی اِس وقت چودہ کروڑ ہے اور آپ ایک خاندان کے سات افراد شمار کر لیں تو ہمارا معاشرہ دو کروڑ خاندانوں پر مشتمل ہے۔خاندان کا ادارہ مستحکم ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہو جائے گا۔ خاندان کے ادارے میں صلاح اور فلاح ہوگی تو معاشرے میں بھی صلاح وفلاح نظر آئے گی۔اگر خاندان کے ادارے میں فساد، بے چینی، ظلم اور ناانصافی ہوگی، میاں اور بیوی میں جھگڑے ہو رہے ہوں گے تو پھر وہاں اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہو سکتی، ان کی تربیت میں یہ منفی چیزیں شامل ہو جائیں گی اور اسی کا عکس پورے معاشرے پر پڑے گا۔ چنانچہ خاندانی ادارے کی اصلاح اور اس کے استحکام کے لیے قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے احکام دیے گئے ہیں، جنہیں عائلی قوانین کہا جاتا ہے۔"③

مساواتِ مردوزن

اسلام کے علاوہ باقی مذاہب، چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، میں عورت اور مرد کے ازدواجی تعلقات کو بہت حد تک اخلاقی وروحانی ترقی کے لیے مانع تسلیم کیا گیا ہے، عورت اور مرد کے درمیان عدمِ مساوات کی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے اور عورت کو مرد

سے کمتر حتیٰ کہ جانور سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے مرد وزن میں مساوات کے تصور کو رائج کیا اور عورت کے وقار اور عزت کو مرد کے مساوی قرار دے کر نہ صرف اس کے حقوق کی حفاظت کی بلکہ اسے معاشرہ میں ایک عزت کا مقام بھی دلوایا جس کی بجا طور پر حوا کی بیٹی حق دار تھی۔ قرآن پاک میں مرد اور عورت کے مساوات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تا کہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (خدا ترس اور) پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) باخبر ہے۔''

ہندومت، یہودیت اور عیسائیت میں عورت کو وہ حقوق نہ دیے گئے جس کی وہ حق دار تھی۔ یہودیت اور عیسائیت نے تو بنی نوع انسان کی پہلی غلطی کا سبب ہی عورت کو قرار دیا اور یہ عقیدہ بنا لیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ پھل کھانے پر حضرت حوا علیہا السلام نے اُکسایا تھا۔ اگر تاریخی واقعات کو سامنا رکھا جائے تو یہ ایک افسانہ اور یہود و نصاریٰ کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے جس کا مقصد صرف اور صرف اتنا ہے کہ عورت کو اس کے مرتبے سے کم کیا جائے۔

تاریخی حقائق اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ممنوعہ پھل حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں نے کھایا تھا اور ان کو بہکانے والا شیطان تھا۔ بعد میں انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو معاف بھی کر دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَاسَمَھُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ۙ فَدَلّٰىھُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ؕ وَنَادٰىھُمَا رَبُّھُمَآ اَلَمْ اَنْھَکُمَا عَنْ تِلْکُمَا الشَّجَرَۃِ وَاَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾ (الاعراف)

''اور اُس (شیطان) نے قسمیں کھا کر اُن کو یقین دلایا کہ میں آپ دونوں کا بہت ہی خیر خواہ ہوں۔ تو اُس نے دھوکہ دے کر انہیں مائل کر ہی لیا۔ جب ان دونوں نے درخت (کے پھل) کو چکھا تو دونوں کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑ جوڑ کے رکھنے لگے اور اب ان دونوں کے رب نے ان کو پکارا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔''

اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ممنوعہ درخت کا پھل کھانے میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں برابر کے شریک تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو یکساں طور پر مخاطب کیا ہے اور مسلسل تثنیہ کا صیغہ استعمال ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہودیت اور عیسائیت نے حضرت حوا کو جو موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور پھر اس الزام کی بنا پر عورت کو مرد سے کمتر مقام دیا ہے، یہ ان کا اپنا اختراع ہے۔ اس نظریہ کی قرآن مجید اور اسلام سے تائید نہیں ہوتی۔

اسلام: عورت کے حقوق کا ضامن

اسلام نے سب سے پہلے عورت کے حقوق کو نہ صرف تسلیم کیے بلکہ عملی طور پر معاشرہ میں عورت کو وہ بلند مقام دیا جس کی وہ صحیح معنوں میں حق دار تھی۔ اسلام کا نظریہ مساواتِ مرد و زن ہی تھا جس کی بنیاد پر دنیا میں عورتوں کے حقوق کے لیے مختلف معاشروں میں تحریکیں اُٹھیں اور پھر معاشروں میں کسی نہ کسی درجہ میں عورتوں کو حقوق دیے گئے، لیکن اسلامی معاشرہ کی طرح عملی طور پر عورت کو دیے گئے مکمل حقوق کا عکس ہمیں کسی معاشرہ میں نظر نہیں آتا۔ ''اسلام کا فوجداری قانون'' میں عبدالقادر لکھتے ہیں:

شریعتِ اسلامیہ نے عورت و مرد کے درمیان یہ مساوات آج سے تیرہ صدی قبل قائم کر دی تھی جب دنیا حقوق و فرائض میں عورت و مرد کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ سوسائٹی کی ضرورت اس مساوات کا محرک بنی ہے، بلکہ اصل محرّک یہ ضرورت ہے کہ شریعتِ

اسلامیہ کی ان تمام اصولوں اور نظریات کے ساتھ تکمیل کر دی جائے جو اس کے کمال اور دوام کے لیے ناگزیر ہے۔عورت اور مرد کے درمیان مساوات قائم کر کے شریعتِ اسلامیہ نے جس رفعت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہمارے سامنے یہ حقیقت آتی ہے کہ جدید قوانین میں عورت مرد کی مساوات کا تصور انیسویں صدی میں قابلِ قبول ہوا ہے اور آج بھی بعض قوانین میں عورتوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے مخصوص معاملات میں بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے کوئی تصرّف کر سکیں۔''④

شادی کی تاکید از روئے اسلام

دنیا کے مختلف مذاہب نے شادی بیاہ کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔یہودی معاشرہ نے اسے سوشل کنٹریکٹ قرار دیا کہ جب چاہا توڑ دیا' کسی نے اسے اٹوٹ قرار دے کر اس میں مظلومیت کا عنصر شامل کر دیا اور عیسائیت نے تو نکاح اور ازدواجی زندگی سے دور رہنے اور رہبانیت اور تجرد کی زندگی اختیار کرنے کو ہی اعلیٰ اخلاق کا ذریعہ اور روحانیت کی معراج قرار دے کر اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔

اسلام نے ازدواجی زندگی کے متعلق صاف ستھرا اور قابلِ عمل تصور پیش کیا جس کی تکمیل سے انسانی زندگی بہاروں کی مانند کھلنے لگتی ہے اور انسان بے شمار معاشرتی اور اخلاقی اُلجھنوں سے نکل کر ایک صحت مند اور پُرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے۔بقول ایم عبدالرحمٰن:

''اسلام سے پہلے بعض مذاہب نے عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے مانع قرار دیا۔اسلام نے اس نظریے کو قبول نہیں کیا اور بتایا کہ اخلاق و روح کی بالیدگی جس قدر مجرد کے ساتھ ممکن ہے اس سے کہیں زیادہ ازدواجی تعلق میں ممکن ہے۔اخلاق تو نام ہی حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک کا ہے۔اگر کسی کا شوہر نہ ہو' کسی کی بیوی نہ ہو' کسی کا باپ نہ ہو' کسی کی ماں نہ ہو' کسی کے بھائی نہ ہوں اور کسی کی بہن نہ ہو' اور نہ کسی سے رشتہ ناطہ ہو' تو اس پر دنیا کی کیا ذمہ داریاں عائد ہو سکتی ہیں اور پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کے لیے اسے کون سے فطری مواقع مل سکتے ہیں۔اسلام نے نکاح کو صاحبِ استطاعت مرد و عورت کے لیے بہتر اور خیر و برکت کا سبب بتایا ہے۔''⑤

اسلام نے نکاح کو انسانی زندگی کی اکائی قرار دے کر اسے لازمی قرار دیا ہے اور قرآن پاک میں کئی مقامات پر استطاعت رکھنے والے مرد و عورت کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ (النور)

''تم میں سے جو (مرد و عورت) بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو' اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا' علم والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بے نکاحوں کے نکاح کا حکم فرمایا۔یہاں ''اَلْاَيَامٰى'' سے مراد صرف غیر شادی شدہ مرد و عورت نہیں ہیں' بلکہ اس سے مراد ہر وہ مرد و عورت ہے جو بے نکاح ہو' چاہے ابھی اس کا نکاح ہی نہ ہوا ہو یا نکاح ہونے کے بعد وفات یا طلاق کی وجہ سے عقدِ نکاح ختم ہو گیا ہو۔بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ:

''احرار میں جو بے نکاح ہوں' خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو یا وفات یا طلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو' تم ان کا نکاح کر دو اور اس طرح تمہارے غلام اور لونڈیاں ہیں جو نکاح کے لائق ہوں یعنی حقوقِ زوجیّت ادا کر سکے ان کا بھی نکاح کر دیا کرو اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے' باوجود غلام و لونڈیوں کی ضرورت ہونے کے' ان کی مصلحت کو فوت مت کیا کرو۔''⑥

احادیث میں بھی بے نکاحوں کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے فوائد بھی احادیث میں بیان کیے گئے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرَجِ))⑦

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے' کیونکہ نکاح کرنا انسان کی نظر کو (گناہوں سے) باز رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے۔''

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے نکاح کو افزائشِ نسل کا سبب قرار دے کر نکاح کی ترغیب دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ))⑧

''محبت کرنے والی' زیادہ بچے جننے والی عورت سے تم بیاہ کرو اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر سابقہ اُمتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن میں نکاح کی اہمیت اور فوائد کو بیان کیا گیا جن سے نکاح کی ضرورت و اہمیت مکمل طور واضح ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شادی بیاہ کا وہ معاملہ جس سے باقی مذاہب نے دوری اختیار کی' اسلام نے اسے بہت اہمیت بخشی اور معاشرہ میں رہتے ہوئے برائیوں سے بچنے کے لیے شادی کو لازمی قرار دیا۔ بقول سید ضیاء الدین:

''قرآن وسُنّت میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی مرد ہو یا عورت اسے نکاح کرنا چاہیے۔ معاشرہ کی خرابیوں اور ماحول کی گندگیوں سے بچنے کے لیے شادی کرنا افضل عمل ہے تاکہ آدمی نکاح کر کے ماحول کی گندگی سے اپنا دامن پاک وصاف رکھے۔ عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے اور مخصوص حالات میں نکاح کرنا واجب ہو جاتا ہے۔''⑨

اگرچہ شادی انسان کی فطری' جنسی' اخلاقی اور معاشرتی ضرورت ہے تاہم اس کے باوجود یہ ایک دینی ضرورت بھی ہے کیونکہ اس سے انسان کے تزکیۂ نفس اور اخلاق و کردار پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شادی کو باعثِ ثواب قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَرَاَیْتُمْ لَوْ وَضَعَھَا فِیْ حَرَامٍ اَکَانَ عَلَیْہِ فِیْھَا وِزْرٌ؟ فَکَذٰلِکَ اِذَا وَضَعَھَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَہٗ اَجْرًا))⑩

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص حرام طریقے سے شہوت پوری کرے تو اسے گناہ نہیں ہوتا؟ (یقیناً ہوتا ہے) لہٰذا جو شخص حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے اجر و ثواب سے بھی نوازا جاتا ہے۔''

معیارِ رشتہ: دین داری

انتخابِ رشتہ کے وقت ہر فریق کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے فریق میں زیادہ سے زیادہ خوبیاں ہوں۔ ایک باپ اپنی بیٹی کے لیے اچھے سے اچھا شوہر تلاش کرنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ ایک ماں اپنے بیٹے کے لیے خوب سے خوب تر دلہن بیاہ لانے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک شوہر اپنی ہونے والی بیوی کو بلند تر معیار و مرتبہ کی مالک دیکھنا چاہتا ہے۔ الغرض ہر شخص بہتر سے بہترین اور خوب سے خوب تر کا متمنّی ہوتا ہے' مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر شخص کا معیار دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کے نزدیک صورت معیار ہے تو کسی کے نزدیک سیرت' کوئی دولت کو ترجیح دیتا ہے تو کوئی برادری کو' کوئی دنیوی منصب کو ترجیح دیتا ہے تو کوئی دین داری کو' الغرض سب کا معیار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب تھے ان سب میں معیارِ رشتہ کے حوالے سے ایک بات عام تھی کہ انہوں نے دنیوی جاہ و منصب اور ظاہری خوبصورتی کو ترجیح دی' جبکہ اسلام نے شکل وصورت' مال و دولت' جاہ و منصب' ذات برادری کے مقابلے میں دین داری' خوش اخلاقی اور تقویٰ کو ترجیح دی تاکہ شادی کے بعد شروع ہونے والی نئی زندگی کا آغاز بھی اسلام پر ہو اور انجام بھی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَلِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ))⑪

''عورت سے چار وجوہ کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال و دولت یا حسب و نسب یا حسن و جمال یا دین و اخلاق کی وجہ سے —— تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں —— تم دین دار عورت سے کامیابی حاصل کرو۔''

یہاں ایک بات بیان کرنا ضروری ہے کہ دین داری کو ترجیح دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریکِ حیات عالم و فاضل ہو اور کسی دینی مدرسہ کا سند یافتہ ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شریکِ حیات میں دین پر عمل کرنے کی روح زندہ اور جذبہ بیدار ہو۔ اس کی طرزِ

زندگی اسلام کے مطابق ہو‘اس کا اندازِ گفتگو مہذّبانہ ہو‘اس کے معمولات شریفانہ ہوں‘اس کے اخلاق کریمانہ ہوں اور اس کا کردار بے داغ ہو۔⑫

نبی کریم ﷺ کے اور بہت سے ارشادات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دین دار بیوی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور شادی بیاہ میں دین داری کو ہی ترجیح دینی چاہیے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے نیک بیوی کو خوش بختی اور بری بیوی کو بدبختی کی علامت قرار دیا:

((مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ : اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ وَالْمَسْكَنُ الصَّالِحُ وَالْمَرْكَبُ الصَّالِحُ وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ :اَلْمَرْأَةُ السُّوْءُ وَالْمَسْكَنُ السُّوْءُ وَالْمَرْكَبُ السُّوْءُ))⑬

’’بنی آدم کی خوش بختی کی علامات یہ ہیں : نیک بیوی‘ کشادہ گھر‘اور اچھی سواری۔اور بنی آدم کی بدبختی کی علامات یہ ہیں:بری بیوی‘ تنگ گھر‘ اور بُری سواری۔‘‘

ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے نیک بیوی کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ))⑭

’’دنیا فائدہ کی چیز ہے اور سب سے بہترین فائدہ نیک عورت (بیوی) میں ہے۔‘‘

نوٹ: ان روایات میں زیادہ تر عورتوں کی دین داری کا تذکرہ آیا ہے‘لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد دین دار نہ بھی ہو تو خیر ہے‘ بلکہ جتنی دین داری عورت کے لیے ضروری ہے اتنی ہی مرد کے لیے بھی۔ ہمارے معاشرے میں مرد کی دین داری کو نہیں دیکھا جاتا اور ایک دین دار لڑکی کا بیاہ ایک آوارہ مرد سے کر کے اس لڑکی کو بھی بے حیائی کے گڑھے میں دھکیل دیا جاتا ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے واقعات پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کتنی ہی ایسی پاکباز نیک لڑکیاں ہیں جو اپنے ماں باپ کے گھر میں عفت و پاکبازی اور شرافت و دینداری اور حیا و باپردگی میں مثال تھیں‘ لیکن وہ شادی کے بعد کسی آزاد گھرانے اور آزاد منش فاسق و فاجر کے نکاح

میں چلی گئیں تو اس کے زیر اثر اس کے بہلانے پھسلانے اور جبر واکراہ سے آہستہ آہستہ ایسی بے حیا اور آزاد اور بے راہ رو بن گئیں کہ ان کہ یہاں نہ فضائل ومکارم کی کوئی قیمت رہی اور نہ ہی عفت و پاکبازی اور شرافت کی کوئی حیثیت رہی۔‘‘⑮

دین داری کے ساتھ دیگر ترجیحات

رشتہ کے انتخاب کے وقت دین داری تو سب سے بلند تر چیز ہے جسے ہر حال میں ترجیح دینی چاہیے‘ لیکن اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ دین و اخلاق دیکھتے ہوئے باقی تمام خوبیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ممکن ہے کہ ایک لڑکی نہایت دین دار ہو مگر اس کی شکل وصورت خاوند کو اچھی نہ لگتی ہو یا اس کا مزاج خاوند سے نہ ملتا ہو تو ظاہر ہے ایسی صورت میں ان دونوں کا نباہ ناممکن ہو جاتا ہے اور اگر وہ بالجبر نباہ کی کوشش کریں گے تو ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں رہے گی۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ شادی کے تمام تر مقاصد کی تکمیل اور فوائد کی تحصیل کے لیے دین داری کے ساتھ درج ذیل خوبیوں کو بھی مدنظر رکھا جائے کیونکہ ان کی طرف بھی اسلام ہی توجہ دلاتا ہے:

① باکرہ ہونا

بہت سی احادیث میں کنواری لڑکی کو شادی کے لیے موزوں ترین قرار دیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَاَرْضَى بِالْيَسِيْرِ))⑯

’’کنواری عورت سے نکاح کیا کرو کیونکہ وہ شیریں گفتار ہوتی ہیں‘ زیادہ بچے جنتی ہیں اور تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں۔‘‘

لڑکی کا باکرہ ہونا استحباب پر مبنی ہے ورنہ طلاق یافتہ اور بیوہ عورت سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔نبی مکرم ﷺ کی تمام ازواجؓ میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باکرہ تھیں جبکہ باقی تمام یا تو طلاق یافتہ تھیں یا پھر بیوہ تھیں۔

بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر کنواری کے بجائے بیوہ سے نکاح کرنا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے‘ مثلاً بیوہ عورت سے شادی کرنے کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا

جواب ملاحظہ کریں:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں تھا...... آپ نے (مجھ سے) پوچھا کیا: ''تو نے نکاح کیا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''باکرہ (کنواری) سے یا ثیّبہ (شوہر دیدہ) سے؟'' میں نے کہا: ثیّبہ سے۔ آپ نے فرمایا: ''کنواری عورت سے کیوں نہیں کیا کہ تو اس کے ساتھ کھیلتا' وہ تیرے ساتھ کھیلتی!'' میں نے کہا:

اِنَّ لِیْ اَخَوَاتٍ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَ امْرَاَۃً تَجْمَعُھُنَّ وَتَمْشُطُھُنَّ وَتَقُوْمُ عَلَیْھِنَّ (17)

''میری چند بہنیں ہیں (اور میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے) لہٰذا میں نے چاہا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کو جمع کرے اور ان کے سروں میں کنگھی کرے اور ان کی نگرانی کرے۔''

② زیادہ بچے جننے والی ہونا

رسول اللہ ﷺ نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ ایسی عورت سے شادی کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہو اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ میری اُمت دوسری اُمتوں سے تعداد میں زیادہ ہو گی اور میں اس پر فخر کروں گا۔ آپ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ)) (18)

''محبت کرنے والی' زیادہ بچے جننے والی عورت سے تم بیاہ کرو اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر سابقہ اُمتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے یہ کیسے معلوم ہو گا کہ عورت زیادہ بچے جننے والی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس خاندان کی باقی عورتوں پر قیاس کر کے اس بات کا اندازہ لگایا جائے گا۔

③ خوبصورت ہونا

شادی کا مقصد خاندانی زندگی کی تشکیل' جنسی جذبات کی تسکین اور خوشگوار و پر لطف

زندگی کا حصول ہے۔ اس مقصد کے لیے بیوی ایسی ہونی چاہیے جو خوبصورت ہو اور جسے دیکھ کر خاوند خوشی اور سکون محسوس کرے۔ حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَیْرُ فَائِدَۃٍ اِسْتَفَادَھَا الْمُسْلِمُ بَعْدَ الْاِسْلَامِ امْرَاَۃٌ جَمِیْلَۃٌ تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ اِلَیْھَا وَتُطِیْعُہٗ اِذَا اَمَرَھَا وَتَحْفَظُہٗ اِذَا غَابَ عَنْھَا فِیْ مَالِہٖ وَنَفْسِھَا)) (19)

''اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان شخص کے لیے سب سے بڑے فائدہ کی چیز خوبصورت بیوی ہے' کہ جب وہ (خاوند) اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے' اور جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ بجا لائے' اور اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کے مال اور اپنی عزت کی حفاظت کرے۔''

④ ہم پلّہ (کفو) ہونا

کفو کا لغوی معنی ہے برابری۔ اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت میں برابری ہو۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے کفو کی تعریف کرنے کے بعد ان اجزاء کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں مرد کا عورت کے ہم پلّہ ہونا ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کفو وہ شخص کہلاتا ہے جو مذہب' نسب' آزادی' پیشہ' دیانت اور تموّل میں ہم سَر ہو......امورِ کفاءت حسب ذیل ہیں جن میں مرد کا عورت کے ہم سر ہونا ضروری ہے: (۱) اسلام (۲) نسب (۳) آزادی (۴) پیشہ (۵) دیانت (۶) تموّل (مالی برابری)۔'' (20)

احناف کے نزدیک ان سب چیزوں میں برابری لازمی ہے' شوافع کے نزدیک نسب' دین' آزادی اور پیشہ میں برابری کا اعتبار ہو گا' مالکیہ کے نزدیک صرف دین داری میں برابری لازمی ہے اور باقی چیزیں غیر اعتباری ہیں' جبکہ اہلِ ظواہر کے نزدیک کسی بھی چیز میں برابری لازمی نہیں ہے۔

نوٹ: کفو کا اطلاق صرف مرد پر ہوتا ہے کہ مرد عورت کا کفو ہو اور عورت کا مرد کے کفو ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ عورت مرد کی زوجہ ہونے کے سبب اپنے شوہر کے ہم پلّہ سمجھی جائے گی۔

پیغامِ نکاح

قرآن وسنت میں مرد وعورت کو نکاح کرنے کی زبردست ترغیب دی گئی ہے اور اُمتِ مسلمہ کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ جن لوگوں کا نکاح نہیں ہوا ان کا نکاح کرا دو۔ نکاح کے لیے رشتہ تلاش کرنے کی ذمہ داری زیادہ تر لڑکی اور لڑکے کے والدین کی ہوتی ہے۔ والدین رشتہ تلاش کرتے ہیں اور نکاح کا پیغام دے کر اس رشتہ کو پکّا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عورت اور مرد کو بھی اپنے رشتہ کا پیغام بھیجنے کی اجازت ہے۔

عورت کا اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرنا یا پیغامِ نکاح بھیجنا

اسلام نے عورت کو جہاں اتنے حقوق دیے ہیں وہاں ایک حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام کسی مرد کو دے سکتی ہے اور اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں تو اسے برا خیال کیا جاتا ہے مگر جہاں تک اسلام کی بات ہے تو اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت خود کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے آپ کو (نکاح کے لیے) پیش کر کے کہنے لگی: یارسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انسؓ کی لڑکی نے کہا: ہائے بے شرمی' کس قدر بے حیا وہ عورت تھی! تو انہوں نے کہا: وہ تجھ سے بہتر تھی کہ ان کو نبی کریم ﷺ سے رغبت تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لیے پیش کیا۔''(۲۱)

اسی طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے نفس کو آپؐ کو ہبہ کر دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اِنِّیْ وَھَبْتُ مِنْ نَفْسِیْ (۲۲)

ان روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عورت اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مرد کا کسی عورت کو پیغامِ نکاح بھیجنا

جس طرح ایک عورت اپنا پیغامِ نکاح خود بھیج سکتی ہے اسی طرح مرد بھی کسی عورت کو اپنا پیغامِ نکاح بھیج سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾ (البقرۃ)

''اور تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اگر تم کنایہ باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دل میں چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے۔ لیکن ان سے خفیہ طور پر قول وقرار نہ کرنا' مگر (ایامِ عدت میں) اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے۔ اور نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا جب تک لکھا ہوا حکم (عدت) اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو۔ اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا' حلیم ہے۔''

نکاح کا پیغام دیتے وقت بالکل صریح الفاظ کے بجائے اشارہ کنایہ سے بات کرنا زیادہ افضل ہے' کیونکہ اشارہ کنایہ سے بات کرنے میں شرم وحیا کا لحاظ رہتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ملاحظہ کریں:

''﴿فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابن عباسؓ نے فرمایا: وہ کہے میرا نکاح کا ارادہ ہے اور میری خواہش ہے کہ مجھے کوئی صالح عورت میسّر آجائے ___ قاسم نے فرمایا: وہ عورت سے کہے تم میری نظر میں شریف ہو اور میرا میلان تمہاری طرف ہے اور اللہ تمہیں بھلائی پہنچائے گا یا اسی طرح کے جملے ___ عطاء نے فرمایا: تعریض وکنایہ سے کہے صاف صاف نہ کہے مثلاً کہے کہ مجھے ضرورت اور تمہیں بشارت ہو اور تم اللہ کے فضل سے کھری ہو اور عورت اس کے جواب میں کہے کہ تمہاری بات میں نے سن لی ہے' بصراحت کوئی وعدہ نہ کرے۔''(۲۳)

رشتہ پر رشتہ بھیجنے کی ممانعت

اگر کسی لڑکی کی کسی لڑکے کے ساتھ رشتہ کی بات پکّی ہو چکی ہو اور دونوں خاندان مکمل طور پر رضامند ہو گئے ہوں تو پھر کسی دوسرے شخص کا اس لڑکی کے گھر رشتہ کا پیغام بھیجنا تاکہ اس پہلے رشتے کو خراب کیا جا سکے' جائز نہیں ہے۔ یہ ایک قبیح اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے اور اسلام اسے بالکل پسند نہیں کرتا اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے اسے سختی سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے معاشرہ میں دشمنی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ کا امن و سکون تباہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا یَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَبْتَاعَ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْهِ وَلَا یَخْطُبَ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَذَرَ))[۲۴]

''ہر مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے اس لیے اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ ہی وہ اس کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغامِ نکاح بھیجے حتیٰ کہ وہ دست بردار ہو جائے۔''

ایک روایت میں یہ مضمون بایں الفاظ مذکور ہے:

((وَلَا یَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهٗ اَوْ یَاْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ))[۲۵]

''اور کوئی آدمی وہاں پیغام نہ بھیجے جہاں اس کے مسلمان بھائی نے پہلے سے پیغام دیا ہو' البتہ اگر پہلے پیغام بھیجنے والا دست بردار ہو جائے یا (اپنے ساتھ) دوسرے کو بھی (پیغام بھیجنے) کی اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔''

ان دونوں روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب کسی نے لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا اور بات پکی ہو گئی تو اب کسی دوسرے کے لیے یہ جائز نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنا پیغام نکاح بھیجے' مگر ہمارے معاشرے میں اس حدیث کے خلاف عمل رواج پا چکا ہے۔ پہلے تو لڑکی کا رشتہ آتا نہیں ہے اور جب کوئی ایک رشتہ آتا ہے اور بات باہمی رضامندی تک پہنچ جاتی ہے تو پھر رشتہ پر رشتہ بھیجا جاتا ہے جس سے باہمی عداوتیں پیدا ہو جاتی

ہیں۔ بقول سید ضیاء الدین:

''مذکورہ احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی بھائی کسی کے ہاں رشتہ اور نکاح کا پیغام دے تو دوسرے کسی کو نکاح کا پیغام نہیں دینا چاہیے۔ عموماً ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ کسی کی بہن اور بیٹی گھر میں رشتہ کے انتظار میں بیٹھی ہے تو کوئی ان سے رشتہ طلب نہیں کرتا' لیکن جب ان کے ہاں کسی نے نکاح کا پیغام بھیجا ہوتا ہے تو پھر ہر طرف سے اعزّہ و اقارب نکاح کا پیغام دینے لگ جاتے ہیں جس کی وجہ سے باہمی عداوتیں پیدا ہو جاتیں ہیں اور اختلافات بڑھ جاتے ہیں اسی لیے اسلام نے اس بات سے سختی سے منع کر دیا ہے۔''[۲۶]

منگیتر کو ایک نظر دیکھنے کی اجازت

اسلام چونکہ ایک فطرتی دین ہے اس لیے اسلام نے مرد کو نکاح سے پہلے لڑکی کو ایک نظر دیکھنے کا اختیار دیا ہے۔ اس طرح دیکھنے سے نکاح میں رغبت پیدا ہو گی اور نکاح کے بعد کسی قسم کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہو گا۔ تمام علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْهُ اِلٰی نِكَاحِهَا فَلْیَفْعَلْ)) قَالَ فَخَطَبْتُ جَارِیَةً فَكُنْتُ اَتَخَبَّاُ لَهَا حَتّٰی رَاَیْتُ مِنْهَا مَادَعَانِیْ اِلٰی نِكَاحِهَاوَ تَزَوُّجِهَا فَتَزَوَّجْتُهَا[۲۷]

''جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے تو پھر اسے چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو نکاح کے ارادے کی وجہ سے اس کو دیکھ لے''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی اور پھر میں اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کی وہ چیز (خوبصورتی) دیکھ لی جس کی غرض سے میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔''

اور بھی کئی احادیث میں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے' مثلاً محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی' پھر میں نے اسے چھپ کر دیکھنے کی

کوشش کی حتیٰ کہ میں نے اسے اس کے کھجور کے باغ میں دیکھ ہی لیا۔ان سے کہا گیا: آپ صحابی ہوکر ایسا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِذَا أَلْقَى اللّٰهُ فِي قَلْبِ امْرِئٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا)) [28]

''جب اللہ تعالیٰ کسی مرد کے دل میں کسی عورت سے شادی کا ارادہ ڈال دے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نکاح کے ارادے سے منگیتر کو دیکھنا جائز ہے' بلکہ مستحسن ہے کہ جس کو نکاح کا پیغام بھیجنا ہو اُس کو دیکھ لینا چاہیے۔

نوٹ: شادی کی بات چیت یعنی منگنی کے وقت لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھنا یا بات چیت کرنا اس حد تک تو جائز ہے کہ دیگر لوگوں کی موجودگی میں ایسا کیا جائے جیسا کہ احادیث میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے' مگر ان ملاقاتوں کو معمول بنالینا یا نکاح سے پہلے خلوت میں ملاقات کرنا حرام ہے اس لیے کہ منگنی نکاح نہیں ہے' بلکہ نکاح کا ایک معاہدہ ہے اور ممکن ہے کہ یہ معاہدہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچے۔اس لیے نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا خلوت میں ملنا' ملاقاتیں کرنا یا اکھٹے گھومنا پھرنا حرام ہے۔باقی رہا ٹیلی فون پر بات کرنے کا مسئلہ تو اس میں بھی بہتر یہی ہے کہ اس سے بھی اجتناب برتا جائے۔ [29]

منگنی اور اس کی رسومات

شادی سے پہلے شادی کے معاملات طے کرنا اور شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کے سرپرستوں کا ایک دوسرے کے سامنے اظہارِ رضامندی ''منگنی'' کہلاتا ہے۔نکاح و رخصتی سے پہلے نکاح کی بات پکّی کرلینا یا دوسرے لفظوں میں نکاح کا پیغام بھیج کر رشتہ پکا کرلینا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔اسلام سے قبل بھی عرب میں یہ رواج تھا کہ لوگ شادی سے پہلے منگنی کرلیتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کو منع نہ فرمایا۔

منگنی دراصل صرف نکاح کے وعدے کا نام ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ فلاں لڑکی کی منگنی ہوگئی ہے اب اس کے گھر رشتہ بھیجنا جائز نہیں ہے اور یہ وعدہ زبانی

کلامی بھی ہوسکتا اور خط لکھ کر بھی یا آج کے جدید دور میں ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے۔اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں جتنی منگنی کی رسومات رائج ہیں وہ سب کی سب لغو اور پیسہ کا ضیاع ہیں' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک جملہ میں منگنی کی رسومات کا شرعی جائزہ پیش کیا ہے:

''منگنی میں یہ تمام بکھیڑے جو آج کل رائج ہیں' سب لغو اور خلافِ سنت ہیں۔ زبانی پیغام اور جواب کافی ہے۔'' [30]

منگنی کی اس سادہ سی رسم کو معاشرتی طور پر بہت پیچیدہ بنادیا گیا کہ شادی اور منگنی کی تقریب کا فرق ہی مٹ گیا ہے اور متوسط طبقہ کے ایک آدمی کو بھی ان رسومات کی ادائیگی کے لیے سود پر قرض لینا پڑتا ہے' حالانکہ ان رسومات کا اسلامی تعلیمات میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔اب ہم یہاں چند ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو منگنی میں لازمی تصور کرلیا گیا ہے اور جن کے بغیر منگنی کی رسم کو نامکمل تصور کیا جاتا ہے۔

منگنی میں برادری کی شرکت

آج کل منگنی کے موقع پر تمام برادری کا جمع ہوکر لڑکی کے گھر جانا منگنی کی رسم کا حصہ بن چکا ہے۔لڑکی والے پہلے شادی کے موقع پر بارات سے تنگ تھے تو اب سونے پر سہاگہ' کہ منگنی کے موقع پر بھی بارات کا رواج عام ہوگیا۔بعض لوگ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ مشورہ لینے کے لیے اپنی تمام برادری کو جمع کیا ہے' حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں کیونکہ اگر مشورہ ہی کرنا تھا تو دوتین لوگوں کو بلا کر مشورہ کرلیا جاتا۔

منگنی کی انگوٹھی

منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانا اب رواج سے آگے بڑھ گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر تو اب منگنی کا تصور ہی ذہن میں نہیں آتا۔اگر کوئی تحفہ دینے کی نیت سے انگوٹھی دیتا ہے یا تعلقات بڑھانے کے لیے دیتا ہے تو پھر یہ جائز ہے۔اس صورت میں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ انگوٹھی اگر تحفہ کی نیت سے دی ہے تو خدانخواستہ منگنی ٹوٹنے کی

صورت میں انگوٹھی واپس لینا غیر مناسب ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تحفہ دے کر واپس لینے والے کو اخلاق سے گرا ہوا قرار دیا ہے—اور اگر یہ انگوٹھی ایک رسم کے طور پر دی جاتی ہے تو یہ پیسے کا ضیاع ہے اور اسراف و تبذیر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

دوسری عمومی خرابی اس میں یہ دیکھی گئی ہے کہ عموماً مردوں کو بھی سونے کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے حالانکہ مرد کے لیے سونا پہننا حرام ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نکاح جیسے پاکیزہ رشتہ کا آغاز ہی ایک حرام کام سے کیا جا رہا ہے۔

منگنی کے موقع پر شیرینی

منگنی کی رسم میں ایک اور چیز جو لازمی قرار دے دی گئی وہ منگنی کے موقع پر مٹھائی یا کسی اور میٹھی چیز سے لوگوں کا منہ میٹھا کرانا ہے۔ بعض علاقوں میں تو شادیوں کی طرح چھوارے اور بد وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے۔ بعض علاقوں میں یہ رسم بھی ہے کہ منگنی کے موقع پر لڑکے والے منگنی کے موقع پر مٹھائی، ناریل اور اس قسم کی چیزیں لاتے ہیں اور لڑکی کو اپنے گھر سے لایا جوڑا پہنا کر اسے ایک کرسی پر بٹھایا جاتا ہے اور اس کی گود میں یہ مٹھائی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اور پھر منگنی کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔

منگنی کے موقع پر منہ میٹھا کرنا کوئی غیر اسلامی بات نہیں ہے مگر اس درجہ پیسے خرچ کرنا جو اسراف کے زمرے میں آئے، جائز نہیں ہے۔ حافظ مبشر حسین منگنی کی رسومات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"منگنی کے جواز کا یہ معنی نہیں کہ منگنی کے موقع پر بھی شادی کا سماں پیدا کر لیا جائے اور برات کی شکل میں منگنی کے لیے فوج ظفر موج لڑکی والوں کے گھر کی طرف مارچ کرے اور بڑے پیمانے پر مٹھائی اور تحائف وغیرہ کا تبادلہ کیا جائے ...... یہ سب فضول خرچیاں ہیں بلکہ نوبت تو اب یہاں تک آ پہنچی ہے کہ منگنی کے موقع پر کی جانے والی رسومات کسی طرح بھی شادی کی رسومات سے کم نہیں ہوتیں۔"(۴۱)

مولانا تھانویؒ اسلام میں منگنی کی سادگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"غرض یہ سب خرافات واجب الترک ہیں۔ بس ایک کارڈ سے یا زبانی

گفتگو سے پیغامِ نکاح ادا ہو سکتا ہے۔ جانبِ ثانی اپنے طور پر ضروری امور کی تحقیق کر کے جب اطمینان ہو جائے ایک کارڈ یا زبانی وعدہ کر سکتا ہے۔ لیجئے منگنی ہو گئی۔ اگر استحکام کے لیے یہ رسمیں برتی جاتی ہیں تو اول کسی مصلحت کے واسطے معاصی کا ارتکاب جائز نہیں۔"(۴۲)

الغرض منگنی نکاح کے معاہدہ کو پکّا کرنے کی حد تک تو جائز ہے، مگر اس میں ایسی غیر اسلامی رسومات (جن میں اسراف ہو) کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ اسلام ایک حد میں رہ کر خوشیاں منانے کی اجازت دیتا ہے اور اس سے منع نہیں کرتا مگر جب خوشی میں معاصی کا ارتکاب ہو تو اسلامی قانونِ شریعت اسے ناجائز اور ممنوع قرار دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شادی سے پہلے منگنی کرنا محض جواز کی حد تک ہے ورنہ یہ کوئی شادی کا ضروری حصہ نہیں کہ پہلے منگنی ہی کی جائے اور بعد میں شادی۔ عہدِ رسالتؐ میں منگنی کے بجائے نکاح کا رواج تھا اور خود رسول اکرم ﷺ نے منگنی کے بجائے سیدھا نکاح کا راستہ اختیار کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ منگنی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسکی ادائیگی کے لیے سود پر قرض لیا جائے۔ یہ تو بس جواز کی حد تک ہے۔ یہاں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی منگنی کے بجائے براہِ راست نکاح کو اختیار کیا ہے اس لیے اگر کوئی شخص کسی بھی سے وجہ سے منگنی نہیں کرتا تو برادری کا اس کو کسی بھی قسم کا طعنہ دینا بہت سخت گناہ ہے اور اس پر اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

شادی کی عمر

اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب تھے ان میں شادی کے لیے ایک خاص عمر مقرر کر دی گئی کہ فلاں عمر میں شادی کی جا سکتی ہے۔ ہندومت میں ۲۴ سال کی لڑکی اور ۴۸ سال کے مرد کا بیاہ سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے جبکہ دوسری طرف ہندوؤں میں بچپن کی شادی کا رواج بھی عام ہے۔ یہودیت اور عیسائیت نے بھی شادی کے لیے ایک عمر مقرر کر دی کہ لڑکی کی عمر ۱۲ سال اور لڑکے کی ۱۸ سال ہونی چاہیے۔

اسلام چونکہ ایک فطرتی دین ہے اس لیے اسلام نے شادی کے لیے کوئی خاص عمر مقرر نہیں کی بلکہ ایک اصول اور ضابطہ مقرر کر دیا کہ شادی کے لیے ''بلوغت'' ضروری ہے۔ اب ہر علاقے اور ہر ملک میں بالغ ہونے کا دورانیہ ایک سا نہیں ہے۔ کسی علاقے کا موسم گرم ہوتا ہے اور وہاں لڑکا لڑکی جلد بالغ ہو جاتے ہیں، جبکہ کسی علاقے کا موسم سرد ہوتا ہے اور وہاں بالغ ہونے میں زیادہ عرصہ لگ جاتا ہے۔ اب اسلامی قانونِ ازدواج کے مطابق جو لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائیں ان کی شادی شرعاً جائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ (النساء:٦)

''اور یتیموں کی جانچ پرکھ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں)۔ پھر اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔''

محمد صدیق خان شبلی قرآن کی ان اصطلاحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرآن کی دو اصطلاحیں رُشد اور بلوغ ہیں جس کے حوالے سے مسلمان فقہاء نے شادی کے عمر کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ رُشد جیسا کہ اس آیت میں ہے:

''یتیموں کی تربیت کرو یہاں تک کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں رُشد (پختہ قوتِ فیصلہ) پاؤ تو ان کے مال کو ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:٦)

اس آیت میں قرآن رشد یا ذہنی پختگی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، لیکن قانون کے بیشتر مکاتب نے بلوغ (تولیدی نظام کے آغاز) کو شادی کی کم از کم عمر قرار دیا ہے۔ بلوغ لڑکیوں کے لیے نو سال سے پندرہ سال کی عمر کا زمانہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ذہنی اور جسمانی پختگی میں کافی فرق ہو سکتا ہے۔ لڑکوں کے لیے بلوغت کی عمر بارہ سال ہو سکتی ہے۔''(۳۳)

سید ضیاء الدین لکھتے ہیں:

''شرعاً شادی کی کوئی عمر مقرر نہیں ہے یہاں تک کہ بہتر یہ ہے کہ لڑکی بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر کسی کو بلوغت کے بعد شادی کے بغیر

بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا ہے تو اس پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ نکاح کرے۔''(۳۴)

اب سوال یہ ہے کہ لڑکی کس عمر میں بالغ تصور ہوگی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''دختر (لڑکی) کی بلوغ کی کوئی مدّت متعیّن نہیں، مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی اور پندرہ برس کے بعد نابالغ نہیں رہ سکتی، یعنی ادنیٰ مدتِ بلوغ نو سال ہے جبکہ علاماتِ بلوغ پائی جائیں اور بلوغ کی علامات حیض وغیرہ ہے اور زیادہ سے زیادہ مدتِ بلوغ پندرہ سال ہے جبکہ علامات بلوغ نہ پائی جائیں۔ اسی پر فتویٰ ہے۔''(۳۵)

اس حوالے سے ایک معاشرتی برائی

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنی اولاد خاص کر لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کی وجہ سے نکاح نہیں کرتے اور لڑکیوں کی عمریں بڑھ جاتی ہیں اور پھر ان کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ اس بنا پر والدین بہت پریشان اور ذہنی اذیّت میں مبتلا نظر آتے ہیں اور لڑکیوں کی زندگیاں تو مکمل تباہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کی نکاح کی فکر کرنی چاہیے اور جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملے شادی کر دینی چاہیے اور لڑکی کی تعلیم کی اتنی فکر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ وہ تو شادی کے بعد بھی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت بھی نہیں۔(۳۶)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق لڑکیوں کی شادی جلد کر دینی چاہیے۔ اگر کوئی اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرتا حالانکہ وہ بالغ ہے اور شادی کے قابل بھی ہے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کا گناہ کا ذمہ دار باپ ہوگا اس لیے کہ یہ باپ کی لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: اَلصَّلَاةُ اِذَا آنَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُئًا))(۳۷)

"اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا: نماز جب اس کا وقت آجائے، جنازہ جب تیار ہو جائے اور بے نکاحی لڑکی (کی شادی) جب اس کا کفو مل جائے۔"

ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے بالغ غیر شادی شدہ لڑکا یا لڑکی سے ہونے والے گناہ کا ذمہ دار والدین (خصوصاً باپ) کو قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ وَاَدَّبَهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا عَلٰى اَبِيْهِ)) [38]

"جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے، اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے، جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے۔ اگر اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کے نکاح کا بندوبست نہیں کیا گیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس گناہ کے ذمہ دار والدین ہوں گے۔"

ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شادی جلد سے جلد کر دینی چاہیے، مگر ایک بات کا پھر بھی خیال رکھنا چاہیے کہ شادی اتنی بھی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ لڑکا اور لڑکی کو شادی کے حقوق و فرائض کا ہی پتا نہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں خاص کر پس ماندہ علاقوں میں لوگ بچپن میں اپنی اولاد کی منگنی کر دیتے ہیں اور تھوڑی عمر میں ہی ان کا بیاہ ہو جاتا ہے، جبکہ زوجین کو کچھ تمیز نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے۔ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ① بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے اور پھر لڑکی کے والدین تفریق کی فکر کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں اور کوئی بغیر مسئلہ جانے دوسری جگہ شادی کر دیتے ہیں۔ ② اگر لڑکے کو لڑکی پسند نہ آئے تو پھر لڑکا اپنے لیے اچھی لڑکی تلاش کر لیتا ہے اور اُس بچپن کی بیوی کو طلاق نہیں دیتا کہ طلاق دینا عرفاً عار کی بات ہے۔ اس طرح لڑکی بیچاری ساری زندگی ایسی حالت میں زندگی گزار دیتی ہے۔ [39]

ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شادی کوئی مذاق یا کھیل نہیں ہے اس لیے شادی کرتے وقت مکمل احتیاط سے کام لینا چاہیے اور بلوغت کے بعد ایسے وقت میں شادی کرنی چاہیے جب لڑکا لڑکی کو کچھ سمجھ بوجھ آجائے اور یہی اسلام کا منشا ہے اور یہی فطرت کے عین مطابق ہے۔

اسلامی ممالک میں لڑکا لڑکی کی شادی کی عمر

ماقبل ہم نے یہ بیان کیا کہ اسلام میں شادی کے لیے بلوغت لازمی ہے اور عمر کی کوئی خاص قید نہیں۔ اب ہم مختلف اسلامی ممالک کے عائلی قوانین کا تجزیہ کرتے ہیں کہ ان میں لڑکا اور لڑکی کی شادی کی کم از کم عمر کیا ہے۔ [40]

ملک کا نام	مرد کی عمر	عورت کی عمر
بنگلہ دیش	۲۱ سال	۱۸ سال
مصر	۱۸ سال	۱۶ سال
ایران	۱۴ سال ۶ ماہ	۸ سال ساڑھے پانچ ماہ
ملائیشیا	۱۸ سال	۱۶ سال
پاکستان	۱۸ سال	۱۶ سال
تیونس	۲۰ سال	۱۷ سال
ترکی	۱۷ سال	۱۵ سال

مرد اور عورت کی عمر میں تناسب

ہندومت اور باقی مذاہب میں مرد اور عورت کی عمر کے تناسب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا گیا، مگر اسلام نے عمر کے اعتبار سے کفو ہونے کا اصول پیش کیا کہ لڑکا اور لڑکی ہم عمر ہوں یا تھوڑا سا فرق ہو۔ یہ اگرچہ امر طبعی ہے، مگر شریعت میں بھی اس کی طرف اشارات موجود ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ (صٓ)

"اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر (عورتیں) ہوں گی۔"

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ (الواقعۃ)

"ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا۔ پس انہیں کنواریاں، (شوہروں کی) پیاریاں (اور) ہم عمر بنایا۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا یہی ہے کہ عورت اور مرد ہم عمر ہوں اس لیے کہ اس کے بہت فوائد ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا رشتہ رد کرتے ہوئے فرمایا: وہ چھوٹی ہے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم عمر مرد و عورت کا نکاح ہونا چاہیے، مگر ہمارے معاشرے میں ہم عمری کے بجائے دولت اور منصب کو دیکھا جاتا ہے اور بعد میں اس کے مفاسد دیکھ کر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔

والدین کی رضامندی

اسلام کے علاوہ تمام مذاہب میں والدین کی رضامندی کے بارے میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے، کہیں نکاح کا سارا دارومدار فریقین کی رضامندی پر ہے اور والدین کی اجازت کو بالکل چھوڑ دیا گیا جیسے یہودیت اور عیسائیت میں اس کا ثبوت ملتا ہے اور کہیں نکاح کو والدین کی اجازت پر موقوف کر دیا اور فریقین کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں رکھا گیا جیسے ہندومت میں اس کی مثال ملتی ہے۔

اسلام نے والدین اور فریقین کی اجازت میں درمیانی راہ پر عمل کیا ہے کہ دونوں کی اجازت کو نکاح میں ضروری قرار دیا بایں معنی کہ شادی بیاہ میں اصل اہمیت تو فریقین کی اجازت کی ہے مگر معاشرہ میں امن و سکون اور خاندانی نظام کی بقا کے لیے والدین کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فریقین کی رضامندی وجوب کے درجے میں ہے اور والدین کی رضامندی استحباب کے درجے میں یعنی اگر والدین شادی پر راضی نہ بھی ہوں تو بھی وہ نکاح قانوناً اور مذہباً صحیح تسلیم کیا جائے گا مگر ایسے نکاح کو معاشرہ میں اچھا تصور نہیں کیا جاتا اور زوجین کی عزت پر بھی حرف آتا ہے۔ ایسا نکاح اخلاقاً اچھا نہیں سمجھا جائے گا اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام نے نکاح میں والدین اور فریقین کی رضامندی کو بہت اہمیت دی ہے۔

باپ کو جبر کا حق نہیں

اسلام نے والدین کی رضامندی کو مستحسن قرار دیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باپ جبراً بھی اپنی بیٹی کا نکاح کرا سکتا ہے۔ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح جبراً اس کی اجازت کے بغیر کسی سے کرا دے تو لڑکی کو اس نکاح کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے۔ (اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری دیکھ کر) آپ ﷺ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا (کہ تمہیں اس نکاح کے رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار ہے)۔ عورت نے (یہ سن کر اطمینان سے) کہا:

قَدْ اَجَزْتُ مَا صَنَعَ اَبِیْ وَلٰکِنْ اَرَدْتُّ اَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ اَنْ لَیْسَ اِلَی الْاٰبَاءِ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (41)

''میرے باپ نے جو کچھ کیا میں اس کی اجازت دے چکی ہوں، لیکن درحقیقت میرا ارادہ یہ تھا کہ عورتیں یہ جان لیں کہ باپ دادا کے ہاتھ میں (نکاح کے) معاملے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں بھی اس موضوع کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔ عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزید انصاری خبر دیتے ہیں کہ:

''خدام نامی شخص نے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا۔ تو آپؐ نے اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا اور پھر اس نے ابولبابہ عبدالمنذر سے شادی کر لی۔'' (42)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ عورت کو شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ

عفت وعصمت، محبت ومودت اور بقائے نسلِ انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں، وہ بخوبی انجام پذیر ہوں۔

عورتوں کو نکاح کا اختیار

اسلام سے پہلے عورتوں کو شادی کا کوئی اختیار نہیں دیا جاتا تھا۔ باپ یا سرپرست اس کا نکاح جبراً بھی کرا سکتا تھا اور لڑکی اس معاملے میں بے اختیار تھی، مگر اسلام نے عورتوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنی رضامندی سے نکاح کریں اور اسلام نے نکاح میں ولی کے بجائے فریقین کی رضامندی کو واجب قرار دیا اور یہ قاعدہ بنا دیا کہ بالغ اور بیوہ کی رضامندی کے بغیر سرپرست اس کا نکاح نہیں کر سکتا، ان کی اجازت ہر صورت میں لازمی قرار دی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ))[43]

''شوہر دیدہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا حکم نہ ہو اور کنواری عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔''

دوسری جگہ اس موضوع کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

((اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا))[44]

''شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

مذکورہ احادیث اور ان جیسی کئی احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے شادی کے معاملے میں عورتوں کی رضامندی کو ضروری قرار دیا ہے اور بغیر عورت کی رضا کے اس کی شادی کسی بھی مرد سے نہیں کی جا سکتی۔

نوٹ: آزاد، عاقل، بالغ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس

میں ایک فقہی اختلاف ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ احناف کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر لڑکی اپنے کفو میں نکاح کرے تو منعقد ہو جائے گا اور اگر غیر کفو ہو تو نکاح نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح بالکل منعقد نہیں ہوگا یعنی ان کے نزدیک ولی کی اجازت لازمی ہے۔[45]

مردوں کو نکاح کا اختیار

اس سے پہلے ہم نے یہ بیان کیا کہ عورت کو شادی بیاہ کے معاملے میں اپنا حق رائے استعمال کرنے کا مکمل حق ہے۔ تو اب ہم مختصر طور پر مردوں کے رضا کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ دنیا کے کسی معاشرے میں بھی مردوں پر جبر کرنے کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ ہر معاشرہ اور مذہب مردوں کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی رضامندی کے بغیر شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نے بھی مردوں کو اپنی شادی کا مکمل اختیار دیا ہے کہ بالغ اور عاقل مرد کی رضا اور اجازت مقدم ہے۔ چونکہ مرد کبھی بھی کسی زمانے میں مجبور محض نہیں رہا اس لیے اس معاملہ میں کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلام نے بالغ مرد کو مکمل طور پر اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے مگر مرد کو بھی چاہیے کہ اپنی شادی کے موقع پر بڑوں اور والدین کی رائے کو بھی زیر غور لائے اور یہ کہہ کر ان کی رائے کو رد نہ کرے کہ اسلام نے تو مجھے مکمل اختیار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے معاملے میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے والدین کی رائے لینے میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے۔ اس لیے مردوں کو اپنے بڑوں کی رائے اور مشورہ ضرور لینا چاہیے۔

ولی کو حق مشورہ اور اس کا لحاظ

اسلام چونکہ ایک فطرتی دین ہے اس لیے اس نے نکاح میں فریقین کی اجازت کو

لازمی قرار دیا مگر یہ بھی کہا کہ اپنے والدین اور سرپرست سے مشورہ بھی لے لیا کرو اور اسلام نے ولی کو غیر کفو میں کیے گئے نکاح کو بھی فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی اپنا نکاح خود کرے تو اسے معاشرہ میں بے حیائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔عورت کو اس بے حیائی سے بچانے کے لیے اسلام نے یہ راہ نکالی ہے کہ عورت کا ولی اس کا نکاح اس کی اجازت سے کرائے۔نہ ولی اپنی مرضی کرے اور نہ لڑکی ولی کی رائے کو پس پشت ڈال دے۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے ان کا غور وفکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں۔پھر مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے۔اربابِ حل وعقد مرد ہی ہیں۔ پھر معاملہ ایسا ہے عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو۔دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لیے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی شہرت ہو سکے۔اس لیے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیے مگر ولی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کر دے اس لیے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے مرد نہیں سمجھ سکتا۔نفع ونقصان عورت کو پہنچنے والا ہے اس لیے حکم اس سے لینا چاہیے۔''[46]

نکاح کے ارکان

اسلام ایک سادہ اور فطرتی دین ہے اس لیے اس کے تمام احکامات بھی سادہ اور عمل کرنے میں آسان تر ہیں۔اب نکاح کے معاملے کو ہی لے لیں اس میں بھی بہت آسانیاں رکھی گئیں ہیں تا کہ لوگ اس سے یہ کہہ کر راہِ فرار اختیار نہ کریں کہ یہ تو بہت پیچیدہ معاملہ ہے۔

احناف کے نزدیک نکاح کا بس ایک ہی رکن ہے ''صیغہ'' یعنی ایجاب وقبول۔ باقی گواہوں اور مہر کا ہونا نکاح کی شرائط میں سے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک نکاح کے پانچ ارکان ہیں:

① صیغہ	ایجاب وقبول
② ولی	ولی کا مجلسِ نکاح میں موجود ہونا

③ مہر	چاہے معجّل ہو یا غیر معجّل
④ مرد	وہ شخص جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہے
⑤ عورت	وہ جس کا نکاح مرد کے ساتھ ہو رہا ہے

شوافع کے نزدیک بھی ارکانِ نکاح پانچ ہیں' مگر مالکی فقہ سے مختلف ہیں:

① صیغہ	ایجاب وقبول
② ولی	ولی کا مجلسِ نکاح میں موجود ہونا
③ گواہ	دو مرد گواہوں کا مجلسِ نکاح میں ہونا
④ مرد	وہ شخص جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہے
⑤ عورت	وہ جس کا نکاح مرد کے ساتھ ہو رہا ہے

گواہی/شہادۃِ نکاح

نکاح کے ارکان میں سے ایک اہم رکن یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر گواہ موجود ہوں اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہوا ہو اور انہوں نے اس ایجاب وقبول کی سماعت کی ہو۔

گواہوں کی موجوگی شرط ہے

ایجاب وقبول کے وقت گواہوں کا موجود ہونا سوائے امام مالکؒ کے باقی تمام فقہاء کے نزدیک شرط اور لازمی ہے کہ اس کے بغیر نکاح کا انعقاد نہیں ہوسکتا۔صاحبِ ہدایہ نے گواہوں کے شرط ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین[47]

''مسلمانوں کا نکاح گواہوں کی موجودگی کے بغیر منعقد نہیں ہوسکتا۔''

مولانا مجاہد الاسلام گواہوں کی موجودگی کو نکاحِ صحیح کے لیے ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول کے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔''[48]

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں جن سے نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط قرار پاتا ہے:

''ایجاب وقبول کے وقت گواہوں کی موجودگی جوازِ نکاح کی شرط کی حیثیت سے ماسوائے مالکیہ، عام علماء کے نزدیک مسلم ہے۔ فقہاء نے اس کو نکاح کے جواز اور انعقاد کی شرط کہا ہے۔ چنانچہ برہان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی نے اپنی مستند کتاب ''ہدایہ'' کی ''کتاب النکاح'' میں شہادت کو نکاح کے جواز کی ایک شرط کہا ہے۔ اسی طرح قاضی خان نے بھی ''کتاب النکاح'' کی فصل ''شرائط النکاح'' میں گواہوں کی موجودگی کو نکاح کی شرطِ جواز قرار دیا ہے۔ الکاسانی نے بھی اپنی کتاب ''بدائع الصنائع'' میں گواہوں کی موجودگی کو انعقادِ نکاح کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نکاح پاگلوں اور بچوں کی موجودگی میں منعقد نہیں ہوتا...... چونکہ شہادت ارکانِ عقد کی شرائط میں سے ہے اور عقد کے رکن ایجاب وقبول ہیں اور قبول کے بغیر عقد کے ایک رکن کا وجود نہیں ہوتا۔ پس جس طرح بغیر قبول کے حقیقتاً عقد کا ایک رکن موجود نہیں ہوتا اسی طرح شرعاً بغیر شہادت کے اس رکن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔''[۴۹]

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط گواہوں کا موجود ہونا بھی ہے اور اس پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

گواہوں کی تعداد

قرآن کریم کی ''آیة مداینة'' گواہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ علماء نے نکاح کے بارے میں بھی اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ قانون اختیار کیا ہے کہ نکاح کے وقت دو مرد گواہ ہوں یا پھر ایک مرد اور دو عورتیں۔ آیت مبارکہ میں گواہی کے بارے میں اسی قاعدہ کو بیان کیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ ؕ...... وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ (البقرۃ:۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب کسی مقرّر مدّت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو...... پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو اس پر گواہ بنا لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو (گواہ بنا لو) ان میں سے جو گواہی پر راضی ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

مولانا مجاہد الاسلام نے بھی گواہوں کی تعداد کا ذکر کیا ہے:

''نکاح صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول کے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔''[۵۰]

گواہوں کی اہلیت

اس سے پہلے یہ واضح ہو گیا کہ نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لازمی ہے اس کے بغیر نکاح پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اب یہاں ان شرائط اور صفات کو بیان کیا جاتا ہے جن کا گواہوں میں ہونا ضروری ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس بارے میں کافی وضاحت موجود ہے:

وشرط فی الشاهد اربعة امور: الحرية والعقل والبلوغ والاسلام۔ فلا ينعقد بحضرة العبد ولا بحضرة المجانين ولا بحضرة الكفار فی نكاح المسلمين۔ هكذا فی البحر الرائق ويصح بشهادة الفاسقين[۵۱]

''نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور مسلمان ہو۔ تو غلام، پاگل، بچہ اور کفار کی گواہی مسلمانوں کے نکاح میں معتبر نہیں ہوگی۔ اسی طرح بحرالرائق میں بیان ہوا ہے۔ اور فاسق کی گواہی معتبر ہوگی۔''

صاحبِ ہدایہ نے بھی گواہوں کی ان ہی صفات کو بیان کیا ہے:

ولا ينعقد بنكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين عدولا او غير عدول او محدودين فی القذف[۵۲]

''نکاح منعقد ہوتا ہے دو آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے، چاہے وہ عادل ہوں یا غیر عادل، چاہے وہ محدود فی القذف ہی کیوں نہ ہوں۔''

گواہی سے متعلق چند باتیں نوٹ کرلیں: ① نکاح کی گواہی کے لیے ضروری ہے کہ گواہ ایجاب وقبول کے وقت مجلس میں موجود ہوں اور انہوں نے ایجاب وقبول سنا ہو۔ ② فریقین کے ماں باپ یا ان کی اولاد گواہ تو بن سکتی ہے مگر اچھا یہی ہے کہ وہ گواہ نہ بنیں تا کہ ضرورت کے وقت عدالت میں گواہی معتبر ہو سکے؛ جبکہ ماں باپ یا اولاد کی گواہی عدالت میں قابل قبول نہیں ہوگی۔ ③ گواہ دلہا اور دلہن کو جانتے ہوں یعنی ان کو معلوم ہو کہ فلاں کی بیٹی کا فلاں کے بیٹے سے نکاح ہو رہا ہے۔

فریقین کا قول وقرار/ ایجاب وقبول

نکاح کا سب سے اہم رکن لڑکا اور لڑکی کا ایجاب وقبول ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں شادی کے لیے سب سے زیادہ اہمیت دُلہا دلہن کے قول وقرار کو دی جاتی ہے کہ اس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہودیت اور عیسائیت میں بھی نکاح کا سب سے اہم رکن ایجاب وقبول ہے، مگر ہندومت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فریقین کے قول وقرار کے بجائے والدین کی اجازت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے بایں معنی کہ والدین جس جگہ چاہیں نکاح کر دیں لڑکی کو اپنی رضا استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اسلام نے نکاح کو متناکحین یعنی نکاح کرنے والوں کی اجازت پر موقوف کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ان کی جازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نکاح میں ایجاب وقبول کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نکاح مرد وعورت کے ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے...... نکاح کی بنیادی اور اہم ترین شرط یہ ہے کہ ایک فریق کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی طرف سے قبول ہو۔''(۵۳)

ایجاب وقبول کی تعریف

ایجاب وقبول کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں نکاح کے ارکان ہیں اور ان کے بغیر نکاح وجود میں نہیں آ سکتا۔ ردالمختار میں ایجاب وقبول کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

(قوله من احدهما) اشار الى ان المتقدم من كلا م العاقدين ايجاب سواء كان المتقدم كلام الزوج او كلام الزوجة والمتاخر قبول(۵۴)

مولانا مجاہدالاسلام ایجاب وقبول کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''نکاح کے طرفین میں سے جس کسی کی طرف سے بھی پہلے اصالتاً' ولایتاً یا وکالتاً نکاح کی پیشکش جن الفاظ میں کی جائے ان الفاظ کو ''ایجاب'' اور دوسری جانب سے جن الفاظ سے اس پیشکش کو قبول کیا جائے ان الفاظ کو ''قبول'' کہا جاتا ہے۔''(۵۵)

صاحب اشرف الہدایہ ایجاب وقبول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ایجاب اس لفظ کو کہتے ہیں جو احد المتعاقدین سے اولاً صادر ہوتا ہے اس لیے کہ وہ مخاطب پر اثبات یا نفی میں جواب کو واجب کرتا ہے اور جو لفظ احد المتعاقدین سے ثانیاً صادر ہوگا وہ قبول کہلائے گا۔''(۵۶)

ایجاب وقبول کے الفاظ

ایجاب وقبول کے لیے کوئی خاص اور مقرر الفاظ نہیں ہیں اور نہ یہ شرط ہے کہ ایجاب وقبول عربی میں ہو۔ بس ہر وہ جملہ جس سے نکاح اور زوجیت کا مفہوم ادا ہو جائے کافی ہے چاہے وہ کسی بھی زبان کا ہو۔ جیسے ہمارے معاشرے میں ''قبول'' کے لفظ سے قبول کیا جاتا ہے۔ بس اس ایجاب وقبول میں زمانہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ایجاب وقبول کے الفاظ کے بارے میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

> ''نکاح ایجاب وقبول کے ایسے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے عاقدین نکاح کو شرع کے مطابق فوری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ مثلاً میں نے اپنی لڑکی کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔ میں نے اپنی لڑکی کو تمہارے ملک میں دیدیا۔ میں نے اپنی لڑکی کو تمہیں ہبہ کر دیا۔''(۵۷)

ایجاب وقبول کے بارے میں چند اہم باتیں

① ایجاب وقبول ماضی کے صیغے کے ساتھ ہو مثلاً یوں کہا جائے: میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے کر دیا۔ اور اگر وہ اس طرح کہے کہ میں نکاح کر دوں گا تو یہ ایجاب و

قبول مستقبل کے صیغے کے ساتھ صحیح نہیں ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایجاب وقبول میں سے ایک ماضی کے صیغے کے ساتھ ہو اور دوسرا مستقبل یا امر کے صیغے کے ساتھ۔ ایسی صورت میں ایجاب وقبول صحیح ہوگا۔[58]

② ایجاب وقبول میں مجلس کا متحد ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر ایجاب کے بعد قبول کی مجلس بدل گئی یا ایجاب کے بعد قبول کرنے والے نے کوئی ایسا کام کیا کہ جس سے اس کی عدمِ توجہی ظاہر ہوگئی تو اب یہ ایجاب بیکار ہوجائے گا۔[59]

③ ایجاب وقبول دونوں میں مطابقت ہونی چاہیے مثلاً وہ کہے: میں نے اپنی لڑکی کا نکاح بعوض پانچ ہزار مہر تجھ سے کر دیا۔ لڑکا: میں نے قبول کر لیا' یہ صحیح طریقہ ہے۔ اگر قبول کرتے وقت مہر کو کم یا زیادہ کر دیا گیا تو پھر ایجاب وقبول میں مطابقت نہیں رہے گی اور یہ ایجاب وقبول معتبر نہیں ہوگا۔[60]

④ ایجاب وقبول کا عربی زبان میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ نکاح اور طلاق ان معاملات میں سے ہے کہ کسی بھی زبان میں ان کا مفہوم ادا کرنے سے یہ واقع ہوجاتے ہیں۔ اب دُلہا ودلہن اپنی زبان میں ایجاب وقبول کر لیں تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا۔ جیسے ہمارے معاشرے میں اردو میں پوچھا جاتا ہے: ''فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر کے عوض تجھ سے کیا جاتا ہے کیا تجھے قبول ہے'' اور پھر لڑکی سے بھی ان ہی الفاظ میں اس کی اجازت معلوم کی جاتی ہے۔[61]

⑤ اشارے سے بھی ایجاب وقبول ہوجاتا ہے مگر اشارہ ایسا ہونا چاہیے جس میں ابہام کا کوئی احتمال نہ ہو۔ جیسے کوئی گونگا شخص سر ہلا کر اپنی رضا کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح نکاح میں بھی اشارہ معتبر ہوگا۔

خط کے ذریعے ایجاب وقبول

اگر متعاقدین مجلس میں موجود ہوں اور کوئی عذر بھی نہ ہو تو وہ زبان سے ایجاب وقبول کریں گے۔

اگر متعاقدین میں سے کوئی مجلس میں موجود نہیں ہے تو اس کا ایجاب یا قبول خط کے

ذریعے بھی جائز ہے' مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں: ① یہ خط گواہوں کے سامنے پڑھا جائے اور فریقِ ثانی اس کے جواب میں اپنی رضا ظاہر کرے۔ ② جس مجلس میں یہ خط پڑھا گیا ہے اسی مجلس میں دوسرا فریق اسے قبول بھی کرے۔ اگر مجلس بدل گئی تو یہ ایجاب وقبول معتبر نہیں ہوگا۔ ③ اگر اس خط کو گواہوں کے سامنے پڑھا نہیں گیا بلکہ فریقِ ثانی نے اسے پڑھ کر اس پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے لیے دستخط کر دیے تو یہ قبول معتبر نہیں ہوگا۔ ④ متعاقدین میں سے ایک کا زبانی اظہار ضروری ہے یعنی ایک طرف سے تحریر تو دوسری طرف سے زبان سے اقرار ہونا چاہیے۔ دونوں طرف سے تحریر قابلِ قبول نہیں ہے۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اگر فریقین اصالتاً یا وکالتاً مجلسِ نکاح میں موجود ہوں تو زبانی ایجاب وقبول لازم ہوگا اِلّا یہ کہ کسی معذوری کے سبب ایسا کرنا ممکن نہ ہو...... اگر کوئی فریق اصالتاً یا وکالتاً مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو بلکہ اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریر کی شکل میں موجود ہو اور وہ ایجاب بموجودگی گواہانِ مجلس نکاح میں پڑھا جائے اور فریق ثانی اس کے جواب میں اپنی منظوری ظاہر کر دے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔ چنانچہ اگر عورت کے پاس قاصد بھیجا یا اس کو ایجاب کا خط لکھا اور عورت مذکورہ نے ایسے دو گواہوں کے سامنے جنہوں نے قاصد کے کلام کو یا خط کی عبارت کو سنا' قبول کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا کیوں کہ مجلس من حیث المعنی متحد ہے۔ اسی طرح اگر ایک عورت نے گواہوں سے کہا کہ فلاں مرد نے مجھے خط لکھا ہے' اس میں یہ مضمون ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کرتا ہے پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنے نفس کو اس کے نکاح میں دیا۔ تو نکاح صحیح ہوگا کیوں کہ گواہوں نے عورت کا کلام اس کے قبول کرنے سے سنا اور مرد کا کلام (ایجاب) اس طریقہ پر سنا کہ مذکورہ عورت نے اس کا کلام ان گواہوں کو سنایا ہے۔''[62]

فتاویٰ رحیمیہ میں بھی خط کے ذریعے ہونے والے ایجاب وقبول کو درست قرار دیا گیا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خط دُلہا لکھے یا دلہن:

''دُلہا نے دلہن کو خط لکھا میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں' جب دلہن کو خط پہنچا تو شرعی گواہوں کے سامنے پڑھا گیا اور اسی مجلس میں دلہن نے کہہ دیا کہ میں نے قبول

کیا تو نکاح منعقد ہوگیا...... دلہن نے دُلہا کو خط لکھا میں آپ سے نکاح کرتی ہوں، جب دُلہا کو خط پہنچا تو شرعی گواہوں کے سامنے پڑھا گیا اور اسی مجلس میں دلہا نے کہہ دیا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوگیا۔'' (۶۳)

تحریر کے ذریعے ایجاب وقبول کرنے کی صورت میں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ تحریر پر فریق ثانی کے دستخط کرنے اور گواہوں کے دستخط کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ گواہوں کے سامنے اس خط کو پڑھنا اور پھر زبانی اقرار کرنا بہر صورت لازمی ہے ورنہ یہ ایجاب وقبول معتبر نہیں ہوگا۔ (۶۴)

ٹیلی فون پر ایجاب وقبول

آج کے اس جدید دور میں ٹیلیفون پر بھی نکاح کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ صرف فون پر ایجاب وقبول کرنا کافی نہیں ہوگا اس لیے کہ فریقین کی بات گواہ صحیح طرح نہیں سن سکیں گے۔ فون پر نکاح کی جائز صورت یہ ہے کہ کوئی ایک فریق فون پر کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنادے اور وکیل اس کی جگہ ایجاب وقبول کا فریضہ سرانجام دے اس طرح کرنے سے ایجاب وقبول صحیح ہوگا اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔ مثلاً ہندہ، زید کو فون پر کہے کہ میں تم کو اس بات کا وکیل بناتی ہوں کہ تم اپنے آپ سے میرا نکاح کردو۔ اب زید گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے ہندہ سے نکاح کرلیا۔ تو اب یہ نکاح ہوگیا مگر یہ بات بھی ضروری ہے کہ گواہ اس عورت کو جانتے بھی ہوں۔ (۶۵)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فون پر نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے:

''لڑکی لڑکے کو یا کسی اور شخص کو یہ کہہ کر میں آپ کو فلاں شخص سے اپنے نکاح کا وکیل بناتی ہوں۔ آپ اپنے ساتھ یا فلاں شخص کے ساتھ میرا نکاح کردیں۔ وہ شرعی گواہوں کے سامنے کہہ کر، کہ فلاں نے مجھے اپنے نکاح کا میرے ساتھ یا فلاں شخص کے ساتھ وکیل بنایا ہے، نکاح کردے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔'' (۶۶)

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ فون پر ایجاب وقبول ہوسکتا ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متناکحین اپنی زبان سے سب کے سامنے ایجاب قبول کریں تاکہ کسی دھوکہ دہی کا امکان ہی نہ رہے۔

نوٹ: آج کل فون میں لاؤڈ سپیکر کی سہولت موجود ہے یعنی کسی کی آواز کو ایک شخص کے بجائے پورا مجمع سن سکتا ہے اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایسی سہولت کے پیش نظر اب فون پر نکاح کی صورت میں کسی کو وکیل بنانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی، بلکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ایجاب وقبول گواہ اور سب سن سکیں گے۔

مہر کا تصور

مہر درحقیقت اس معاوضہ اور مال کا نام ہے جو شوہر اپنی بیوی کو بوقت نکاح دیتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے مہر کی تعریف یہ کی ہے: ''المهر بدل البضع'' یعنی مرد کو عورت پر جو حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں، مہر ان کا معاوضہ ہے۔ عبدالرحمٰن الجزیری نے مہر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

فهو اسم للمال الذين يجب للمراة فى عقد النكاح فى مقابلة الاستمتاع بها (۶۷)

''مہر اس مال کا نام ہے جو مرد پر لازم ہے کہ وہ نکاح کے ضمن میں عورت کو ادا کرے اس حق کے مقابلے میں جو عورت سے انتفاع کی صورت میں اسے حاصل ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن مہر کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو شرعاً عورت مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔'' (۶۸)

اسلام میں مہر کا تصوّر

اس سے پہلے ہم مختلف مذاہب کو زیر بحث لائے مگر کسی مذہب نے مہر کو لازمی قرار نہیں دیا۔ ہندومت میں تو مہر کا تصور ہی نہیں ہے، جبکہ یہودیت اور عیسائیت میں اگرچہ مہر کا تصور موجود ہے، لیکن مہر نکاح کے لیے لازمی نہیں ہے بایں معنی کہ اگر کوئی مہر دے دے تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی شادی کے وقت مہر نہ بھی مقرر کرے تو پھر بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے اسلام نے بیوی کو عزت دینے اور اس کو معاشی اعتبار سے مستحکم کرنے کے لیے مرد پر عورت کے لیے مہر مقرر کیا ہے۔ نکاح کے بعد عورت کا مرد پر سب سے پہلا حق یہ ہے کہ وہ مقرر کردہ مہر ادا کرے۔ اسلام میں مہر کے بغیر نکاح کا کوئی تصور نہیں ہے۔ قرآن وحدیث سے مہر کا وجوب ثابت ہے۔

مہر کا وجوب از روئے قرآن

قرآن کریم میں تقریباً آٹھ مقامات پر مہر کا تذکرہ کر کے اس کی اہمیت اور وجوب کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝ (النساء)

''اورعورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ دیا کرو۔ پھر اگر وہ خود اپنی رضامندی سے اس میں سے کوئی چیز تمہیں چھوڑ دیں (یعنی کچھ حصہ معاف کر دیں) تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشگواری سے۔''

مہر کے وجوب کے لیے یہ آیت بالکل ظاہر ہے اور اس آیت میں ''نِحْلَه'' کا لفظ ذکر کر کے اس کی وجوبیت کو مزید اجاگر کر دیا گیا ہے اس لیے کہ ''نِحْلَه'' کا ایک معنی ''فریضہ'' کیا گیا ہے اور دوسرا ''عطیہ''۔ تو اب اس آیت کا مفہوم یہ بنے گا کہ یہ مہر جو تم پر فرض ہے اس کو خوش دلی سے ادا کرنا ایک عطیہ ہے۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''اس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے کہ جب عورت خوشی سے سارا مہر یا اس کا کوئی جز و معاف نہ کرے وہ مرد کے ذمے واجب الادا رہتا ہے۔''(69)

اس کے علاوہ بھی قرآن پاک کی کئی آیات ہیں جو مہر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً سورۃ النساء ہی کی ایک اور آیت ملاحظہ کریں:

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ...... فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۵)

''اور جو کوئی تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورت سے شادی کر سکے تو وہ تمہاری اُن مؤمنہ لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں ......سو اُن سے نکاح کو لوان کے مالکوں کی اجازت سے اور انہیں ان کے مہر ادا کرو اچھے طریقے سے۔''

اس سے پہلی آیت آزاد عورتوں کے مہر کے بارے میں تھی اور یہ آیت لونڈیوں کے مہر کے بارے میں ہے۔ اسلام کی اعلیٰ ظرفیت کا اندازہ اس بات سے آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے غلام جیسے نچلے طبقے کے لیے بھی مہر کو لازم کیا اور یہ ثابت کیا کہ اسلام آزاد عورتوں کی طرح غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق کا بھی عَلَم بردار اور ضامن ہے۔

سورۃ المائدۃ کی ایک آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان مرد کسی اہلِ کتاب عورت سے نکاح کرے تو اس کو بھی مہر دینا ضروری ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (المائدہ:۵)

''اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ ایمان میں سے خاندانی عورتیں اور خاندانی عورتیں اُن لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، جب تم انہیں اُن کا مہر ادا کر دو۔''

ان کے علاوہ بھی قرآن مجید کی کئی آیات مہر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا۔

مہر کا وجوب از روئے حدیث

اسلامی شریعت کے دوسرے ماخذ سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی مہر کے وجوب کے دلائل ملتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات اور اپنی بیٹیوں (رضی اللہ عنہن) کے مہر کو مقرّر فرمایا جو اس کے وجوب کی علامت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کا مہر ''ساڑھے ۱۲ اُوقیہ یعنی پانچ سو درہم'' مقرر کیا تھا۔

''حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کا مہر ساڑھے بارہ اُوقیہ مقرر کیا تھا جو پانچ سو درہم بنتے ہیں۔''[70]

اسلام میں مہر کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے بغیر ہونے والے نکاح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ نَھَی عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ یُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَہٗ عَلٰی اَنْ یُزَوِّجَہُ الْآخَرُ ابْنَتَہٗ لَیْسَ بَیْنَھُمَا صَدَاقٌ[71]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے' اور نکاحِ شغار یہ ہے کہ مرد اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردے اور ان دونوں کے درمیان مہر کچھ نہ ہو۔''

اسی طرح اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے اسلام میں مہر کی اہمیت اور وجوب کا پتا چلتا ہے' مگر ان احادیث کو طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا۔

مہر کی حکمت وفلسفہ

مہر کا وجوب قرآن وسُنّت سے ثابت ہے۔ اسلام نے اس کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے یہ حکم صادر کیا کہ مہر شوہر کے ذمے قرض ہے اور اس کا ادا کرنا ہر صورت میں لازم ہے۔ اب ہم مہر مقرر کرنے کے فلسفے اور حکمت کو بیان کرتے ہیں کہ اسلام نے مہر کو کیوں مقرر کیا اور اس کے پس منظر میں کون سا فلسفہ کارفرما ہے:

① جس طرح نکاح کے ذریعے عورت کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے اسی طرح مہر مقرر کرنے کی حکمت بھی یہی ہے کہ اس سے عورت کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔ عورت جب شادی کر کے شوہر کے گھر جاتی ہے تو وہاں وہ ایک نئی زندگی شروع کرتی ہے۔ اسے اس نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اور اپنا گھر بار بنانے کے لیے متعدد اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کی بعض ضروریات ایسی بھی ہوتی

ہیں جو وہ لوگوں کو بتانے میں شرم محسوس کرتی ہے۔ عورت کی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے مہر کو واجب قرار دیا ہے۔

② عبدالرحمٰن الجزیری نے مہر مقرر کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سے شوہر کی مکمل رضامندی ثابت ہو جاتی ہے اور بیوی کو سکون حاصل ہوتا ہے کہ اس کا شوہر اس سے بیاہ کرنے پر مکمل طور پر رضامند ہے۔[72]

③ مہر کی ایک حکمت عورت کو مالی اعتبار سے مضبوط کرنا ہے تاکہ وہ بوقتِ ضرورت اپنے مال کو خرچ کر سکے اور اگر کبھی اسے اپنے حقوق کی مدافعت کے لیے عدالت سے رجوع کرنا پڑے تو وہ اس مہر کی رقم کو خرچ کر کے آسانی سے یہ کام کر سکے۔[73]

④ اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے یا کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو یہ عورت اس مہر کی رقم سے اپنا کچھ گزارا کر سکے۔

⑤ اسلام نے مہر مقرر کر کے عورت کی عزت افزائی کی کہ عورت کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے اور اس سے لڑکی کے خاندان والوں کو بھی کچھ حوصلہ ہوتا ہے۔

مہر کی اقسام اور مقدار

مہر کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں:

① مہرِ مسمّٰی: وہ مہر جو بوقتِ عقد مقرر کیا گیا ہو یا نکاح کے بعد زوجین جس پر راضی ہو گئے ہوں یا وہ جسے قاضی نے نکاح کے بعد متعین کر دیا ہو۔

② مہرِ مثل: وہ مہر جو بیاہی جانے والی لڑکی کے آبائی خاندان میں اس جیسی لڑکی کا ہو۔ نیز آبائی خاندان کی لڑکیوں کے شوہر اور اس شوہر میں قابل ذکر مناسبت بھی ہو۔

الغرض آسان لفظوں میں اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر زوجین نکاح کے وقت یا بعد میں مہر مقرر کریں تو وہ مہرِ مسمّٰی ہوتا ہے اور اگر نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ کیا جائے یعنی بغیر مہر کے نکاح کر لیا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس لڑکی کے خاندان کی لڑکیوں کا جو مہر ہوگا وہ واجب ہو جائے گا اور اس مہر کو شریعتِ اسلامی میں مہرِ مثل کہا جاتا ہے۔

ادائیگی کے لحاظ سے مہر کی دو اقسام ہیں:

① **مہر معجّل:** وہ مہر جو بوقتِ نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عندالطلب قابل ادا ہو۔

② **مہر غیر معجّل:** وہ مہر جسے فوری ادا کرنا ضروری نہ ہو بلکہ بعد میں یا طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو۔ اسے مہر مؤجّل بھی کہتے ہیں۔

مہر کی کوئی مقدار اسلام نے مقرّر کی ہے یا نہیں؟ اس میں تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ کی تو کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اسی طرح بعض فقہاء کے نزدیک مہر کی کم از کم بھی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار ''دس درہم'' مقرر ہے۔ انہوں نے اسے ''قطعِ ید'' کے نصاب پر قیاس کیا ہے یعنی اگر کوئی دس درہم کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اسی طرح مہر کی بھی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔

مہر کے بارے میں چند معاشرتی خرابیاں

اللہ تعالیٰ نے مہر کی مقدار مقرر نہ کر کے آسانی پیدا فرمائی اور اسے لڑکی اور لڑکے والوں کی رضامندی اور ان کی حیثیت پر چھوڑ دیا گیا' کہ مہر نہ اتنا زیادہ ہو کہ لڑکا ادا نہ کر سکے اور نہ اتنا کم ہو کہ لڑکی کے ایک دن کے خرچ کے برابر ہو۔ ہمارے معاشرے میں مہر کے بارے میں عجیب وغریب رسم و رواج عام ہو گئے ہیں جن سے بہت سی خرابیوں نے جنم لیا ہے:

① **مہر میں افراط وتفریط:** مہر کے معاملے میں افراط وتفریط سے کام لیا جاتا ہے۔ یا تو مہر اتنا زیادہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ شوہر بیچارہ ساری زندگی اس کو ادا نہیں کر پاتا یا پھر ''۳۲ روپے ۱۰ آنے'' کو شرعی مہر قرار دے کر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ میمنوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکا لڑکی چاہے کروڑ پتی ہوں مگر مہر ''۱۰ روپے'' مقرر کرنا ہے جبکہ صوبہ بہار میں مرد چاہے فقیر ہو مگر مہر ''۴۰ ہزار روپے'' مقرر کیا جاتا ہے۔

② **مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہونا:** لڑکے کی نیت مہر ادا کرنے کی نہیں ہوتی اور وہ مجلسِ نکاح میں بھی صراحتاً کہہ دیتا ہے کہ جتنا مرضی مہر مقرر کر لو ہم نے کون سا ادا کرنا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''لوگوں کے نکاح میں یہ نہایت سَرسَری معاملہ ہے حتیٰ کہ مہر کی قلت و کثرت (کمی و زیادتی) میں گفتگو کے وقت بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے کون دیتا ہے۔ یہ لوگ صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے دینے لینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''(۷۴)

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے مہر ادا نہ کرنے والے کو زانی قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

((اَیُّمَا رَجُلٍ اَصْدَقَ امْرَاَۃً صَدَاقًا وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا یُرِیْدُ اَدَاءَ ہٗ اِلَیْھَا فَغَرَّھَا بِاللّٰہِ وَاسْتَحَلَّ فَرْجَھَا بِالْبَاطِلِ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ یَلْقَاہُ وَھُوَ زَانٍ))(۷۵)

''اگر کوئی آدمی (شادی کے وقت) اپنی بیوی کے لیے مہر اس ارادے سے مقرر کرتا ہے کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا تو اس نے اللہ سے دھوکہ کیا اور حق زوجیت کو باطل طریقے سے حلال کیا۔ ایسا شخص قیامت والے دن اس حال میں آئے گا کہ زانی شمار ہوگا۔''

③ **سرپرست کا مہر معاف کر دینا:** عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ نکاح کے موقع پر ولی خود ہی مہر کو معاف کر دیتا ہے یا عورت سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مہر معاف کر دے اور عورت بھی رسماً اسے معاف کر دیتی ہے' حالانکہ اسلام نے تو مہر عورت کو دینے کے لیے مقرر کیا ہے اور ولی کو تو معاف کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے تو وہ کیسے معاف کر سکتا ہے۔ مولانا مفتی اسداللہ نعمانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اکثر لوگ بیوی کا مہر ادا نہیں کرتے اور رسمی طور پر معاف کرا لیتے ہیں۔ بیوی یہ سمجھتی ہے کہ شوہر کے ساتھ بدمزگی پیدا ہو جائے تو اس سے زندگی دوبھر ہو جائے گی اور مہر بہر حال ملنا ہے نہیں' لہٰذا معافی کے الفاظ ہی کہہ دوں۔ لہٰذا وہ رسمی طور پر اوپر کے دل سے معاف کر دیتی ہے اس رسمی معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔''(۷۶)

④ **مہر مانگنے کو برا سمجھنا:** ایک عملی غلطی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ عورتیں مہر مانگنے کو عیب سمجھتی ہیں اور اگر کوئی عورت اپنے مہر کا مطالبہ کرے تو اس کو بدنام کیا جاتا ہے' حالانکہ مہر تو عورت کا حق ہے اور اپنا حق مانگنے میں اخلاقاً اور شرعاً کوئی عیب نہیں ہے۔ جب شرعاً اس میں کوئی عیب نہیں ہے تو پھر اس کو عیب سمجھنا سراسر گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔(۷۷)

⑤ **سر پرست کا مہر وصول کر کے خرچ کر لینا:** ایک برائی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ لڑکی کا مہر والد یا کوئی دوسرا وصول کر لیتا ہے اور اسے اپنا سمجھ کر خرچ کرتا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم نے شادی پہ اتنا خرچ کیا ہے۔ حالانکہ بغور دیکھا جائے تو شادی کے بجائے عیاشی پر مال خرچ کیا ہوتا ہے اس لیے مہر پر صرف عورت کا حق ہے' کسی اور کا نہیں۔[48]

مہر کے بارے میں چند عملی تجاویز

مہر کے بارے میں چند عملی تجاویز درج ذیل ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انشاء اللہ اسلام کی روح کو زندہ کیا جا سکتا ہے:

① رشتہ جوڑتے وقت یا کم از کم شادی سے پہلے مہر طے کر لینا چاہیے تا کہ عین نکاح کے وقت کوئی اختلاف نہ ہو۔

② مہر مقرر کرتے وقت دونوں خاندانوں کی حیثیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے تا کہ دونوں میں سے کسی کو پریشانی نہ ہو۔

③ مہر نہ تو اتنا زیادہ مقرر کرنا چاہیے کہ لڑکا ادا نہ کر سکے اور نہ اتنا کم کہ اسلام کے ایک حکم کی تضحیک ہو۔

④ مہر صرف اور صرف عورت کا حق ہے اس لیے اسے اپنی مرضی سے معاف کرنے کا حق دینا چاہیے۔ نہ کوئی لڑکی کو معاف کرنے کی درخواست کرے اور نہ کوئی سرپرست اس مہر کو اس کی اجازت کے بغیر تصرف میں لائے۔

خطبۂ نکاح

نکاح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا اور فریقین کو کچھ نصیحت کرنا تمام مذاہب میں موجود ہے۔ ہندو شادی میں بھی ایسی نصیحتوں کا ثبوت ملتا ہے اور آسمانی مذاہب یہودیت اور عیسائیت میں بھی —— اسلام میں بھی نکاح کے موقع پر خطبہ پڑھنا سنت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی جاتی ہے اور بعد میں کلام پاک کی

چند آیات تلاوت کی جاتی ہیں تا کہ نکاح کا پاکیزہ معاملہ پاکیزہ کلام سے شروع ہو۔

یہ خطبہ ایجاب وقبول سے پہلے بھی پڑھا جا سکتا اور ایجاب وقبول کے بعد بھی۔ عموماً شادیوں میں دیکھا گیا ہے کہ خطبہ ایجاب وقبول کے بعد پڑھا جاتا ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

خطبہ نکاح: عربی متن اور اردو ترجمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ﴾ (آل عمران) ﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ﴿۱﴾ ﴾ (النساء) ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ ﴾ (الاحزاب)[49]

''تمام صفاتِ الوہیت اللہ کے لیے ہیں' کُل تعریف اور شکر وسپاس اللہ کے لیے ہے۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں' اور اس سے مدد چاہتے ہیں' اور اس سے بخشش ومغفرت طلب کرتے ہیں' اور اس پر ایمان لاتے ہیں' اور اس پر توکّل کرتے ہیں۔ اور ہم اللہ سے پناہ طلب کرتے ہیں اپنے نفوس کی شرارتوں سے اور اپنی بداعمالیوں سے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے تو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جسے وہ گمراہ کر دے تو کوئی نہیں کہ جو اُسے راہِ ہدایت پر لا سکے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ

محمد ﷺ اُس (اللہ) کے بندے اور اُس (اللہ) کے رسول ہیں۔ امابعد! میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے' میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر اسلام (یعنی فرمابرداری) کی حالت میں۔'' [آل عمران:۱۰۲] ''اے لوگو! اپنے اُس رب تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا' اور ان دونوں سے پھیلا دیے (زمین میں) بہت سے مرد اور عورتیں۔ اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو (یعنی جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو) اور قریبی رشتہ داروں (کے معاملے) میں بھی اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔'' [النساء:۱] ''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہو۔ (اس طرح) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ [الاحزاب:۷۰'۷۱]''

دعوتِ ولیمہ

لفظ ولیمہ' ول م سے بنا ہے جس کا معنی ہے جمع ہونا۔ چونکہ میاں بیوی کے جمع ہونے یعنی شب زفاف کے بعد یہ دعوت کی جاتی ہے اس لیے اس دعوت کا نام بھی ولیمہ مشہور ہو گیا۔ اس کے علاوہ ولیمہ ہر خوشی کی دعوت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہلِ عرب ہر خوشی کی دعوت کے لیے ولیمہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں' البتہ لغت کے معروف ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مطلق طور پر ولیمہ کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد شادی کی دعوت ہی ہوتی ہے جسے ''طعامُ العُروس'' بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ کھانے کا انتظام چاہے شادی والے دن کیا جائے یا شبِ زفاف کے بعد اگلے دن' دونوں دعوتیں ولیمہ ہی شمار ہوں گی۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت

ولیمہ واجب ہے یا سنت' اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ولیمہ واجب ہے' جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ولیمہ واجب نہیں' بلکہ سنت اور مستحب ہے — یہ اختلاف اپنی جگہ' مگر احادیث اور سنتِ رسول ﷺ میں ولیمہ کرنے کے بارے میں کافی تائید و تاکید نظر آتی ہے۔ مثلاً

① حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) ''ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی کیوں نہ ہو۔''(۸۰)

② نبی کریم ﷺ نے اپنی ہر شادی کے موقع پر دعوت ولیمہ کا انتظام فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا اَوْلَمَ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی شَیْئٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰی زَیْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ(۸۱)

''نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے برابر اپنی کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا کیونکہ وہ ایک بکری کا ولیمہ تھا۔''

دوسری روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ(۸۲)

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور آزادی ہی کو ان کا مہر بنا دیا اور ان کے ولیمہ میں مالیدہ کھلایا۔''

③ عہدِ نبویؐ میں ایسا کوئی نکاح دکھائی نہیں دیتا جس میں ولیمہ نہ کیا گیا ہو۔

④ ولیمہ اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ شادی کا اعلان ہو جائے کہ فلاں مرد کی فلاں عورت سے شادی ہو گئی ہے۔

ان تمام باتوں سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ ولیمہ کرنا ایک مسنون اور ضروری عمل ہے اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ولیمہ لازمی کرے۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ ولیمہ میں ضروری نہیں ہے کہ بہت خرچ کیا جائے' بلکہ ولیمہ ہونا چاہیے چاہے شربت کے ایک گلاس سے ہی کیوں نہ ہو۔

ولیمہ کا وقت

ولیمہ کی شرعی حیثیت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے اسی طرح ولیمہ کے وقت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ولیمہ کا انعقاد عقد نکاح کے وقت کیا جائے یا شبِ زفاف گزارنے کے بعد۔ اس سلسلہ میں زیادہ بہتر رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ شبِ زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ منعقد ہونا چاہیے کیونکہ ولیمہ کے لفظی معنی بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا معمول بھی یہی تھا' مگر یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ میاں بیوی کی خلوت سے پہلے بھی ولیمہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے عرب ممالک میں شادی والے دن لڑکے اور لڑکی کے تمام احباب جمع ہو جاتے ہیں اور اسی دن دعوت کر دی جاتی ہے اور یہ دعوت مرد کی طرف سے ہوتی ہے اور یہی ولیمہ شمار ہوتی ہے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ دو دن تک جو دعوت کی جاتی ہے وہ دعوت ولیمہ شمار ہوتی ہے اور دو دن کے بعد کی جانے والی دعوت ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت شمار ہوگی:

''دو روز تک کی دعوت کو دعوت ولیمہ کہتے ہیں اس کے بعد دعوت دینے کو دعوت ولیمہ نہیں کہتے۔''(۹۳)

دعوتِ ولیمہ میں غرباء کو شریک کرنے کا حکم

ولیمہ کا موقع ایک خوشی کا موقع ہوتا اس لیے اس موقع پر غرباء کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ولیمہ جس میں غرباء کو نہ بلایا گیا ہو' برا کھانا قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا))(۹۴)

''کھانوں میں سے برا کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں کھانے کے خواہش مندوں (غریبوں) کو نہ بلایا جائے اور کھانے سے انکار کرنے والوں (امیروں) کو بلا لیا جائے۔''

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کا قول نقل ہوا ہے جس میں اس موضوع کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرمایا کرتے تھے:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ(۹۵)

''کھانوں میں سے برا کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔''

ان روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں کو بھی شادی کی اس دعوت میں بلانا چاہیے' مگر ہمارے معاشرے میں ایسا نہیں کیا جاتا اور صرف امیروں کو بلایا جاتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بارے میں افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولیمہ سنت ہے لیکن اس عارض کی وجہ سے برا ہو گیا ہے۔ افسوس آج کل اکثر ولیمے اسی قسم کے ہوتے ہیں جن میں محض برادری کے معززین کو بلایا جاتا ہے اور غرباء کو نہیں پوچھا جاتا ہے' بلکہ اس جگہ سے نکال دیا جاتا ہے حالانکہ جن فقراء کو ولیمہ سے نکالا جاتا ہے ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((تنصرون وترزقون الا بضعفائکم)) ''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ فقراء وضعفاء کی وجہ سے تو دیا جاتا ہے''۔ پس نہایت بے حیائی ہے کہ جن کی وجہ سے رزق دیا گیا ہے انہیں اس رزق سے دھکے دیے جائیں۔''(۹۶)

دعوتِ ولیمہ قبول کرنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ولیمہ کی دعوت دے تو اس کی دعوت کو ضرور قبول کرنا چاہیے اور اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہے تو اس کو توڑ دے اور اس کی دعوت کو قبول کرے۔ بلا وجہ دعوتِ ولیمہ کو ٹھکرانا سنتِ رسولؐ سے انحراف کے مترادف ہے۔ حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَأْتِهَا))(۹۷)

''جب تمہیں ولیمہ کی طرف بلایا (یعنی دعوت دی) جائے تو ضرور جاؤ۔''

ایک روایت میں دعوتِ ولیمہ قبول نہ کرنے کو اللہ اور رسول کی نافرمانی قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))(۹۸)

''جس نے دعوتِ ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔''

بعض صورتوں میں دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے کا حکم

ویسے تو ولیمہ میں شرکت کرنا مستحسن ہے مگر بعض صورتوں میں ولیمہ میں شرکت نہ کرنے کی اجازت ہے بلکہ حکم ہے کہ ولیمہ میں شرکت نہ کی جائے' مثلاً

پہلی صورت: اگر دعوت ولیمہ کے موقع پر ڈھول باجے' گانے' فلم بنانے اور اس جیسے دیگر منکرات ہوں تو اس دعوت میں شرکت قطعی حرام ہے۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿١٤٠﴾

"اور یہ بات وہ تم پر نازل کر چکا ہے اپنی کتاب میں کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں ورنہ تم بھی انہی کی مانند ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور کافروں کو جمع کرنے والا ہے جہنم میں سب کے سب۔"

دوسری صورت: اگر دعوت ولیمہ کے موقع پر حرام اور ناجائز اشیاء مثلاً شراب وغیرہ کا اہتمام کیا گیا ہو یا معلوم ہو کہ صاحبِ دعوت کی کمائی حرام کی ہے تو اس دعوت میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ))(۸۹)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور دورہ ہو۔"

تیسری صورت: ایسی دعوت ولیمہ میں بھی شرکت سے گریز کرنا چاہیے جہاں فخر وریاکاری کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُؤْكَلَ(۹۰)

"نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے کھانے (کی دعوت میں شرکت) سے منع

فرمایا جو (دعوت کا بندوبست) باہم فخر وریاکاری کے لیے کرتے ہیں۔"

چوتھی صورت: جہاں جاندار چیزوں کو جمع کیا گیا ہو' مثلاً تصاویر وغیرہ ہوں وہاں بھی شرکت سے گریز کرنا چاہیے:

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک گھر سے محض اس لیے واپس چلے گئے کہ وہاں تصاویر تھیں۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ ابوایوبؓ نے ان کے گھر میں تصویروں والا پڑدہ پڑا دیکھا (تو غصہ کا اظہار فرمایا)۔ ابن عمرؓ نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ اس مسئلہ میں عورتوں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ ابوایوبؓ نے کہا: (کہ کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہ تھی اور) مجھے قسم ہے اللہ کی! میں تمہارے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور یہ کہہ کر چل دیے۔"(۹۱)

شادی کے موقع پر تحائف دینا

دعوت ولیمہ میں شریک ہونے والے شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ دُلہا دلہن کو حسبِ توفیق کوئی تحفہ پیش کرے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ امام بخاریؒ نے شادی بیاہ کے موقع پر تحفہ دینے کے جواز پر یہ عنوان قائم کیا ہے: "باب الھدیة للعروس" یعنی دُلہا دلہن کو تحائف دینے کا بیان اور اس کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ دُلہا بنے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا۔ میری والدہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا مجھ سے کہنے لگیں کہ اس وقت اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی تحفہ بھیجیں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ میری والدہ نے کھجور' گھی اور پنیر ملا کر حلوہ تیار کیا اور میرے ہاتھوں نبی کریم ﷺ کے گھر بھیجا۔"(۹۲)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر انہیں بطور تحفہ ایک قیمتی ہار دیا تھا۔(۹۳)

شادی کے موقع پر دعا دینا

اسی طرح شادی کرنے والے کو خیر برکت کی دعائیں دینا مسنون عمل ہے۔ رسول

اللہ ﷺ شادی کرنے والے شخص کو ان الفاظ کے ساتھ خیر و برکت کی دعا دیتے تھے:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ))[94]

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بہتری کرے اور تم پر خیر و برکت نازل فرمائے اور تم دونوں (میاں بیوی) کے درمیان بھلائی پر اتفاق پیدا کرے۔''

اس دعا کا اختصار بھی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شادی کے بعد جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ))[95]۔اگر کسی شخص کو یہ دعا یاد نہ ہو تو وہ زوجین میں پیار و محبت اور خیر و بھلائی کے لیے کسی اور زبان میں اللہ سے دعا کرے۔

شادی کی رسومات اور ان کا جائزہ

اگر خالص اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو معاشرتی لحاظ سے سب سے آسان دو کام نظر آتے ہیں ایک شادی بیاہ کا مسئلہ اور دوسرا مرگ و تدفین کا۔اسلام ایک آسان اور قابلِ عمل دین ہے اور اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو انسان پر گراں گزرے۔ہم نے اس سے پہلے شادی بیاہ کو اسلام کے پہلو سے بیان کیا جس سے یہ واضح ہوا کہ اسلام میں شادی کا طریقہ کتنا بہت آسان اور عمدہ ہے۔

اگر ہم شادی بیاہ کو معاشرتی پہلو سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ہم نے خود ہی ایک آسان معاملے کو جاہلانہ رسومات کی پیوندکاری کر کے اپنے اور اپنے معاشرے کے لیے اَن گنت مشکلات پیدا کر دی ہیں۔شادی خواہ لڑکی کی ہو یا لڑکے کی، منگنی سے لے کر بارات اور ولیمہ تک بلکہ ولیمہ اور رخصتی کے بعد بھی کئی جاہلانہ رسومات کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے حالانکہ اسلام میں ایسی کوئی پیچیدگیاں نہیں ہیں۔یہ صرف اور صرف ہمارا اپنا رویہ ہے کہ بچوں کی دھوم دھام کی شادی کو ہم نے اپنا نصب العین بنالیا ہے۔

معاشرتی و علاقائی رسومات کی شرعی حیثیت

ہر معاشرے اور ہر علاقے کا رہن سہن دوسرے سے بالکل مختلف ہے اسی وجہ سے

ان کی عادات و روایات اور رسوم و رواج بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ان میں سے کچھ رسم و رواج اچھے ہوتے ہیں اور کچھ برے۔ان رسم و رواج کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر دو جملوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:''خذ ما صفا ودع ما کدر''جو چیزیں اچھی ہیں انہیں اختیار کر اور جو بری ہیں ان سے اجتناب کر۔یعنی اگر کسی علاقے کی کوئی رسم اچھی ہو تو اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر رسم بری ہو یا اسلام کے پہلو کے خلاف ہو تو اس سے اجتناب برتنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو عرب میں کئی رسم و رواج تھے۔نبوت ملنے کے بعد آپؐ نے ان رسومات میں سے اچھی رسومات کو باقی رکھا جو انسانی فطرت کے مطابق تھیں اور باقی بری رسومات سے منع کر دیا۔مثلاً عرب کے دورِ جاہلیت میں باپ کی وفات کے بعد سوتیلی ماں بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی اور نکاح کے مختلف برے طریقے رائج تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان روایات سے اجتناب کا حکم دیا۔

اگر کسی دوسری قوم کی رسم کو اپنایا جائے تو اس بارے میں اسلامی قاعدہ یہ ہے کہ اگر رسم کرنے کی نیت نہ ہو اور غیر مسلموں کے طریقے پر بھی نہ ہو نہ حقیقتاً نہ مجازاً، تو ایسی رسم کو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اسلام کی فطرت کے خلاف ہو۔[96]

رسم و رواج اور عرف و عادت کی شرعی حیثیت کے بارے میں اصول بیان کرنے کے بعد اب ہم ان رسومات کو بیان کرتے ہیں جن کی وجہ سے شادی بیاہ کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ اور مشکل امر بن چکا ہے اور عام لوگوں کی پہنچ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

مائیوں بٹھانے کی رسم

شادی سے چند دن پہلے گھر کی عورتیں دلہن کو ایک کونے میں محبوس کر دیتی ہیں، نہ وہ کوئی کام کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی سے بات کر سکتی ہے اس رسم کو مائیوں بٹھانا کہا جاتا ہے۔

یہ دور جدید کا طریقہ ہے جب کہ دور قدیم میں لڑکی کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تھا جہاں اسے ہوا تک نہیں پہنچتی تھی اور اس کا سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا تھا۔اپنی ضروریات

میں دوسروں کی محتاج ہو جاتی تھی اور اپنے آپ قضائے حاجت کو نہیں جا سکتی تھی۔[97]

جہاں تک لڑکی کو شادی سے پہلے کام کاج چھڑا کر آرام کرنے کا موقع دینے کی بات ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس میں تو کئی خوبیاں ہیں۔ مثلاً لڑکی کام کاج چھوڑ کر اپنے جسم کی خوبصورت اور صفائی پر توجہ دے گی تاکہ خاوند کی نگاہِ اولین میں اس کا اچھا تاثر قائم ہو۔ لیکن اس دوران گھریلو کام کو کسی توہمانہ نقطہ نظر سے بالکل ناجائز سمجھنا یا گھر کے دوسرے افراد سے بات چیت سے براشگن لینا یہ سراسر اسلامی طرز کے خلاف ہے۔[98]

تیل مہندی کی رسم

شادی سے ایک یا دو دن پہلے لڑکے والوں کی طرف سے چند عورتیں دلہن کے لیے مہندی لے کر جاتی ہیں۔ اسی طرح لڑکی والوں کی طرف سے دلہا کے لیے مہندی بھیجی جاتی ہے۔ جبکہ آج کے دور میں تو دونوں گھرانے جلوسوں کی شکل میں بینڈ باجے کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو کر، دُلہا و دلہن کو اکٹھا بٹھا کر یہ رسم ادا کرتے ہیں اور پورے جشن کا سماں ہوتا ہے۔

اسلامی حوالے سے دیکھا جائے تو عورت کو مہندی لگانا جائز بلکہ مستحب ہے مگر اس طرح سینکڑوں مردوں وعورتوں کا مخلوط اجتماع، نوجوان لڑکیوں کا ناچ گانا، کھانے پینے کا انتظام یہ سب ہندوانہ رسم کے مشابہ ہے اور اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔

دوسری بات مرد کے لیے تو مہندی کو بطور زینت استعمال کرنا درست نہیں ہے اور اس طرح مہندی کی رسم ادا کرتے وقت لڑکے کو مہندی لگانا عورت کی مشابہت ہے اور نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی مشابہت اختیار کرنے والوں کو ناپسند فرمایا۔

سہرابندی کی رسم

شادی کے دن دلہا کو زرق برق لباس پہنا کر سہرا باندھنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے یہ رسم ایران کے آتش پرستوں نے ایجاد کی۔ آتش پرست اسے ''پنجہ آفتاب'' کہتے تھے کیونکہ جب دلہا اپنے سر پر سہرا باندھتا تو اس کا چہرہ سورج کی

روشنی کے مشابہ ہو جاتا۔ آج کل تو سہرے کی جگہ ایسی ٹوپیاں آگئی ہیں جو سستی ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت ٹوپی، پگڑی اور سہرے کا کام دیتی ہے۔ اس رسم کے بارے میں مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

> ''ایک صاحب نے سوال کیا کہ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ جواب ارشاد فرمایا: جائز نہیں۔ ہندوؤں کی مشابہت ہے اور یہ انہی کا طریقہ ہے۔''[99]

نوٹ: اگر سہرا صرف خوبصورتی کے لیے باندھا جائے اور اسے رسم کے طور پر نہ اپنایا جائے تو ایسا کرنے کا جواز موجود ہے۔

سلامی دینا

شادی کے موقع پر ایک طرف دلہا کو اور دوسری طرف دلہن کو ان کے گھروں میں تیار کر کے بٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر تمام دوست احباب مہمان کی حیثیت سے آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ رقم دُلہا یا دلہن کو دیتے ہیں اسے عرفِ عام میں ''سلامی'' کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم دراصل شادی کرنے والوں کے ساتھ تعاون کی ایک شکل ہے۔ اسلام اگرچہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کو بہت پسند کرتا ہے، مگر تعاون کی اس شکل ''سلامی'' میں کئی قباحتیں ہیں:

① کسی دور میں یہ تعاون کا ذریعہ تھی مگر اب یہ ایک رسم ہے کیونکہ امیر اور مالدار لوگ بھی سلامی لیتے ہیں حالانکہ ان کو اس کی کیا ضرورت ہے۔

② تعاون میں جو جتنا دے سکے وہ جائز ہے مگر سلامی میں ایسا نہیں ہے۔ اگر اِس شخص نے سلامی دینے والے کی بیٹی کی شادی میں ایک ہزار روپے دیے ہیں تو اب وہ اس سے کم دے گا تو یہ مستقل لڑائی کا ذریعہ بن جائے گا۔

③ اگر تعاون ہے تو پھر اتنی ریاکاری کس لیے برتی جاتی ہے کہ ایک شخص اس کو لکھتا ہے۔

الغرض سلامی کا مروجہ طریقہ ہر لحاظ سے قابلِ اعتراض ہے۔ اگر کسی کے ساتھ تعاون کرنا ہے تو سلامی کے انداز میں نہیں بلکہ صدقہ یا انفاق فی سبیل اللہ کے انداز سے ہونا چاہیے۔[100]

بارات کا لشکر

اسلامی طریقہ نکاح یہ ہے کہ نکاح کو خفیہ نہیں بلکہ علی الاعلان کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے بارات یعنی چند لوگوں کو نکاح میں شامل کرنا تا کہ ان کے سامنے نکاح کا عمل کیا جا سکے' اس میں کوئی برائی نہیں ہے بلکہ اس طرح کرنا تو عین اسلام کے مطابق ہے۔ اب رہا سوال آج کل کی باراتوں کا' تو یہ ہندوانہ رسمیں ہیں کہ سینکڑوں لوگوں کا بارات کے ساتھ جانا' پھر ناچ گانا اور بینڈ باجوں کا انتظام کرنا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے ہندوؤں کی رسم قرار دیا ہے:

''اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانے میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں سے واسطہ پڑ جاتا تھا اس لیے ہر گھر سے ایک آدمی کو لیا جاتا تا کہ مشکل صورتحال پر قابو پایا جا سکے۔ مگر آج کے زمانے میں تو امن ہے اس لیے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''(۱۰۱)

اکثر باراتوں میں ایک برائی کثرت سے دیکھی گئی ہے کہ بلایا پچاس آدمیوں کو جاتا ہے اور چلے سو آدمی جاتے ہیں' حالانکہ ایسا کرنا اسلامی شریعت میں ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَّخَرَجَ مُغِيْرًا))(۱۰۲)

''جس کو دعوت دی جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو شخص بن بلائے دعوت میں حاضر ہوا تو وہ چور بن کر داخل ہوا اور لوٹ مار کر نکل گیا۔''

بینڈ باجے کا اہتمام کرنا

بارات کے ساتھ گانے بجانے اور گانے گانے کا اہتمام کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس ؓ نے ان بینڈ باجوں کو ''لہو الحدیث'' یعنی لغو کام قرار دیا ہے اور اس بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (لقمان)

''اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ''لہو الحدیث'' یعنی لغویات خریدتے ہیں تا کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بینڈ باجوں کے متعلق فرمایا:

((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ))(۱۰۳)

''میری امت میں ایسے بد بخت پیدا ہوں گے جو شرم گاہ (زنا)' ریشم' شراب اور سازوں کو حلال کر لیں گے۔''

اس مختصر بحث سے یہ معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر بینڈ باجوں کا اہتمام کرنا شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے مگر چھوٹی نابالغ بچیوں کا دف بجانا یا ایسے شعر پڑھنا جو کفر وشرک یا فسق وفجور پر مبنی نہ ہوں اور نہ ہی وہ شہوانی خیالات میں ہیجان پیدا کرنے والے ہوں تو یہ جائز ہے۔ ان کے جواز پر چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔ حضرت محمد بن حاطب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ اَلدَّفُّ وَالصَّوْتُ))(۱۰۴)

''حلال اور حرام (نکاح) میں فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور (نکاح کا) اعلان کرنا ہے۔''

☆ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ وہ ایک انصاری لڑکی کو تیار کر کے لے گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَاِنَّ الْاَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ))(۱۰۵)

''اے عائشہ! تمہارے پاس لہو (کھیل کی چیز یا دف) نہیں' انصار تو اس کو پسند کرتے ہیں۔''

واضح رہے کہ دف پر قیاس کر کے ڈھول باجوں کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ ما قبل ہم بیان کر چکے ہیں کہ بینڈ باجے قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔

شادی پر نوٹ نچھاور کرنا

شادی کے موقع پر دلہا پر نوٹ نچھاور کیے جاتے ہیں یا پیسے ''وار'' کر فقیروں کو دیے جاتے ہیں اور اسے دلہا کے لیے نیک شگن خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں اس قسم کے ٹوٹکوں اور شگونوں کی کوئی اجازت نہیں ہے اور دوسری بات اس میں ریاکاری اور روپے کی بے حرمتی کا الگ گناہ ملتا ہے۔

بوقتِ نکاح دلہا دلہن کو کلمے پڑھانا

اس رسم کی ادائیگی میں عوام کا اتنا قصور نہیں ہیں جتنا ان نام نہاد ''علماء'' کا ہے جنہوں نے اسے دینی فریضہ تصور کر کے عوام پر مسلّط کر رکھا ہے حالانکہ قرآن وسنت میں اس کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ دوسری بات کلمہ تو غیر مسلم کو پڑھایا جاتا ہے اور اگر دلہا یا دلہن غیر مسلم ہے تو ایک کلمہ پڑھا دینا کافی ہے، مگر بعض علاقوں میں تو پورے چھ کلمے پڑھائے جاتے ہیں۔

اس رسم کے بارے میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نام نہاد علماء نے اس کو رائج کیا ہے حالانکہ اسلام میں ایسی کسی رسم کا ذکر نہیں ہے۔ (۱۰۶)

تین مرتبہ ایجاب وقبول

اس رسم کو اسلامی معاشرے میں رائج کرنے کا سہرا بھی اُن علماء کے سر ہے جو اسلام کی روح سے بھی واقف نہیں ہیں۔ امداد الفتاویٰ میں اس بارے میں لکھا ہے کہ یہ نہ تو واجب ہے نہ سنت اور نہ ہی مستحب۔ ہاں اگر کسی کے بارے میں شک ہو یا تاکیداً ایسا کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر اسے رسماً کرنا مناسب نہیں ہے۔ (۱۰۷)

نکاح کے بعد چھوارے یعنی ''بد'' تقسیم کرنا

نکاح کے فوراً بعد لوگوں کا منہ میٹھا کرانے کے لیے لڑکے والوں کی طرف سے ''بد'' کا انتظام کیا جاتا تھا۔ آج سے کچھ سال پہلے تو چھوارے تقسیم کیے جاتے تھے اور آج کے جدید دور میں اس ''بد'' میں بھی جدت آ گئی ہے کہ اب ایک پیکٹ دیا جاتا ہے

جس میں خشک میوہ جات، بادام، چھوارے اور دیگر میٹھی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔

چھواروں کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بنتِ رسول حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی پر نبی کریم ﷺ نے کھجوروں کا ایک طبق منگوا کر تقسیم کیا تھا۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے چھواروں کو مخصوص کر دیا گیا۔

نکاح کے بعد لوگوں کا منہ میٹھا کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ غیر شرعی عمل بھی نہیں ہے بلکہ ایک اچھا عمل ہے مگر اس معاملہ میں اسراف وتبذیر سے بچنا چاہیے۔

بَری دکھانا

لڑکے والے لڑکی کے لیے بنائی گئی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور تمام برادری کے سامنے اسے دکھایا جاتا ہے۔ بَری بھی دراصل تحفہ کی بگڑی ہوئی ایک شکل ہے اور یہ سراسر ریاکاری ہے اور اسلام ایسی رسومات کو جائز قرار نہیں دیتا۔

نیوندرا

ولیمہ کے موقع پر جو لوگ دعوت وطعام میں شریک ہوتے ہیں ان سے پیسے وصول کیے جاتے ہیں جسے نیوتہ (نیوندرا) کہا جاتا ہے۔ یہ رسم اتنی ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ نیوتہ وصول کرنے والا باقاعدہ رجسٹر لے کر بیٹھتا ہے اور پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ کتنی کمینگی کی بات ہے کہ آپ ایک شخص کو دعوت پر بلا کر کھانا کھلائیں اور کھانے کے بعد اس کی قیمت کا مطالبہ کریں۔ لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ نیوتہ مانگنے والے کے بجائے، نہ دینے والے کو کمینہ سمجھا جاتا ہے اور اس پر اکثر جھگڑا بھی پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نیوندرا نہ دینے والے کو برادری کے رجسٹر سے بھی کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہ سب قباحتیں ہیں جو ''سلامی'' کی رسم میں بیان کر دی گئیں۔ (۱۰۸)

جوتا چھپائی اور دُلہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں

شادی کے موقع پر دلہا کے ساتھ بعض غیر اخلاقی رسمیں بھی شادی کا حصہ بن چکی ہیں، مثلاً دلہا کو ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بٹھا کر گرایا جاتا ہے۔ اس کا جوتا چرانے کی کوشش کی

جاتی ہے اور جوتا واپس کرنے کے لیے رقم طلب کی جاتی ہے۔ یہ سب حرکتیں دُلہا کی سالیاں اور غیر محرم لڑکیاں کرتی ہیں۔ یہ سب حرکتیں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

دودھ پلانے کی رسم

نکاح ہوجانے کے بعد دُلہا کی سالیاں اور ان کے ساتھ خوبصورت کنواری لڑکیاں دُلہا کے لیے دودھ لاتی ہیں۔ اس موقع پر دُلہا کے تمام دوست اس کے پاس موجود ہوتے ہیں اور خوب ہنسی مذاق کیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے والدین بھی اس غیر اخلاقی رسم پر ہنستے مسکراتے نظر آتے ہیں اور دُلہا رسماً دودھ کے گلاس کو منہ لگاتا ہے اور اسے اس کی قیمت ادا کرنے پڑتی ہے جو ہزاروں میں ہوتی ہے۔ اس تمام رسم کو ''دودھ پلائی کی رسم'' کہتے ہیں۔ اس رسم کو اسلام تو کیا ایک باغیرت شخص بھی جائز قرار نہیں دے سکتا۔ اس میں تو قباحتیں ہی قباحتیں ہیں:

① اس میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ہنسی مذاق کرنا عام بات ہے۔

② گھر آئے مہمان کو کچھ کھلا کر اس سے پیسے لینا یہ کہاں کی مہمان نوازی ہے۔

③ اس رسم کے لیے نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کا ہی کیوں انتخاب کیا جاتا ہے؟

الغرض یہ رسم ایک ہندوانہ رسم ہے اور اس کی قباحتوں کے پیش نظر عام لوگوں کو خود ہی اسے ترک کردینا چاہیے کیونکہ یہ رسم مذہباً تو اپنی جگہ اخلاقاً بھی جائز نہیں ہے۔

اسلام میں سربالہ / شہ بالا کا تصور نہیں ہے

ہندوؤں کی شادی میں چونکہ دُلہا کیساتھ مختلف قسم کی غیر اخلاقی شراتیں کی جاتی تھیں (افسوس سے کہنا پڑتا ہے وہ سب ہمارے معاشرے میں بھی رائج ہوچکی ہیں) اس لیے ایک سمجھدار بچے کو خصوصی طور پر دلہا کے ساتھ رکھا جاتا تھا تاکہ وہ دُلہا کو ان خطرات سے آگاہ کرے، مثلاً چارپائی کو دیکھ کر بتائے کہ ٹوٹی ہوئی ہے، جوتا چھپائی کے موقع پر اور دودھ پلائی کے وقت بھی سربالہ کام آتا تھا۔

اسلام میں چونکہ اس طرح کی غیر اخلاقی حرکتوں کی اجازت نہیں ہے اس لیے

سربالے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبویؐ میں شادی بیاہ کے واقعات میں سربالہ کا کوئی ذکر نہیں آتا۔

قرآن مجید کے سائے میں دلہن کو رخصت کرنا

دلہن کو قرآن پاک کے سایہ میں رخصت کیا جاتا ہے اور اس سے یہ شگون لیا جاتا ہے کہ یہ شادی بابرکت انجام پائے گی، حالانکہ خیر و برکت قرآن پاک کے احکامات پر علم کرنے میں ہے نہ کہ سایہ کرنے میں۔

گود بٹھائی کی رسم

ولیمہ والے دن لڑکی کی گود میں بچہ بٹھایا جاتا ہے تاکہ اسکی گود بھی جلد ہری ہوجائے اور دلہن بانجھ نہ نکلے۔ اگر دلہا کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی بچہ نہ ہو تو جوان دیور یا جیٹھ گود میں بیٹھ کر اس رسم کو ادا کرتا ہے اور پھر پیسے لیے بغیر نہیں اُٹھتا۔ اب یہاں غیر محرم کو گود میں بٹھایا جاتا ہے حالانکہ اسلام تو غیر محرم کو دیکھنے سے بھی منع کرتا ہے اور گود ہری کرنے کے لیے ایسے شگن کرنے کی اسلام میں کوئی اجازت نہیں ہے۔

مُکلاوا کی رسم

بعض لوگ شادی کے دوسرے روز اور بعض لوگ چوتھے روز دلہن کو واپس گھر لے آتے ہیں اور کچھ دن رکھنے کے بعد اسے خاوند کے ساتھ واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس رسم میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ شادی کے بعد عورت کو جلد اس کے گھر والوں سے ملانا چاہیے اس لیے کہ لڑکی اداس ہوکر ان سے ملنا چاہتی ہے اور والدین بھی منتظر ہوتے ہیں کہ اس سے سسرال کے بارے میں پوچھ سکیں۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس رسم کو محض رسماً نبھانا یا مکلاوا کے موقع پر دلہا و دلہن کو سوٹ دینا اس رسم کو بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔

خلاصہ

یہ چند مشہور رسومات تھیں جو ہمارے معاشروں میں رائج ہوگئی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی رسومات کی ایک لمبی لسٹ ہے جن کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان کے بارے میں

اصولی بات یہی ہے کہ اگر کسی رسم کو ریاکاری یا فخر وتکبّر کے لیے کیا جائے تو وہ ناجائز ہے اور ایسی رسومات جو کسی دوسری قوموں کے مشابہ بنا دے وہ بھی ناجائز ہیں۔ان کے علاوہ وہ رسومات جو ان باتوں کے زمرنے میں نہیں آتی ہیں اور اسلام کے کسی حکم یا شعائر کے خلاف بھی نہیں ہیں تو ان رسموں کو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الغرض شادی بیاہ کا وہ معاملہ جس کو اسلام نے سادگی سے کرنے کا حکم دیا ہے' ہمارے معاشرے نے اس سادگی میں ایسی ایسی خرافات پیدا کر دی ہیں اور ایسے ایسے رسم و رواج اپنا لیے ہیں کہ جن کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں اور زیادہ تر غیر مسلموں کی اپنائی ہوئی غیر اخلاقی رسومات ہیں۔ان رسومات کی بنا پر آج ایک عام شخص اپنے لڑکے اور خاص کر لڑکی کی شادی کرنے کے لیے سود پر قرض لیتا دکھائی دیتا ہے۔[109]

محرمات

دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں یہ رواج ہے کہ شادیاں نہایت قریب کے خونی رشتوں کے مابین نہیں کی جاتیں' مثلاً ماں بیٹوں کے مابین' باپ بیٹیوں کے مابین اور بہن بھائیوں کے مابین شادیوں کو ہر جگہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔تاریخ کے قدیم اوراق میں البتہ اس قسم کی شادیوں کے بھی تذکرے ملتے ہیں۔[110]

ہندومت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں محرمات سے نکاح کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی لوگ ماں' بہنوں اور بھانجیوں وغیرہ سے نکاح کر لیتے تھے مگر جدید ہندومت میں ان محرمات سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔اسی طرح یہودیت اور عیسائیت میں بھی قریبی رشتہ دار یعنی محرمات سے نکاح کرنا حرام ہے۔

نسبی محرمات

اسلام میں محرمات کا جامع اور شفاف تصور ملتا ہے۔کچھ رشتے خون یعنی نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں اور کچھ رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ﴿۲۳﴾ (النساء)

''حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں' اور تمہاری بیٹیاں' اور تمہاری بہنیں' اور تمہاری پھوپھیاں' اور تمہاری خالائیں' اور تمہاری بھتیجیاں (یعنی بھائی کی لڑکیاں)' اور تمہاری بھانجیاں (یعنی بہن کی لڑکیاں)' اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے' اور تمہاری دودھ شریک بہنیں' اور تمہاری بیویوں کی مائیں (یعنی ساس)' اور تمہاری ربیبائیں (بیوی کی وہ لڑکیاں جو سابق شوہر سے ہوں) جو تمہاری پرورش میں ہوں تمہاری ان بیویوں سے جن کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان کے ساتھ صحبت نہیں کی (اور طلاق دے دی) تو تم پر کچھ گناہ نہیں (ان ربیباؤں کے ساتھ نکاح کرنے میں)' اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صُلب سے ہوں (یعنی بہو)' اور (یہ بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔سوائے اُس کے جو گزر چکا۔بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا' مہربان ہے۔''

نسبی محرمات کی فہرست

قرآن پاک کی اس آیت میں براہِ راست حرام ہونے والے ۷ رشتوں کا تذکرہ ہے' لیکن ۱۶ بالواسطہ رشتے ہیں جو نسبی محرمات میں شامل ہیں۔ہم یہاں براہِ راست اور بالواسطہ حرام ہونے والے رشتوں کی فہرست بیان کرتے ہیں:

براہِ راست	بالواسطہ حرام ہونے والے رشتے
ماں	نانی' دادی
بیٹی	نواسی' پوتی

بہنیں	سوتیلی بہن ماں کی طرف سے، سوتیلی بہن باپ کی طرف سے
پھوپھی	سوتیلی پھوپھی باپ کی طرف سے، سوتیلی پھوپھی ماں کی طرف سے، باپ کی پھوپھی
خالہ	سوتیلی خالہ باپ کی طرف سے، سوتیلی خالہ ماں کی طرف سے، ماں کی خالہ
بھتیجی	بھائی کی نواسی، بھائی کی پوتی
بھانجی	بہن کی نواسی، بہن کی پوتی

رضاعی محرمات

ہم نے محرمات کی جو فہرست ماقبل بیان کی ہے وہ نسب اور خون کی بنیاد پر ہے۔ اسلام میں اس کے علاوہ رضاعت سے بھی کچھ رشتے حرام ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ بیان کر دیا:

((یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ کَمَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ))[۱۱۱]

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسی ہی ایک روایت مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

((یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ))[۱۱۲]

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو ولادت (یعنی نسب) سے حرام ہوتے ہیں۔''

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اس بارے میں لکھتے ہیں:

''دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی عورت کے خاندان کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کی اپنی اولاد کے لیے حرام ہیں۔ چنانچہ ایسے جملہ بچے جنہوں نے ایک انا کا دودھ پیا ہو باہمی رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں اور ان میں باہم نکاح حرام ہو جاتا ہے۔''[۱۱۳]

سسرالی محرمات

سسرالی یا دامادی کی بنا پر بھی چند رشتے حرام ہوتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① بیوی کی ماں۔ یعنی ساس اور بیوی کی دادی اور نانی وغیرہ۔

② مدخولہ بیوی کی بیٹی۔ لیکن اگر صحبت (ہم بستری) سے پہلے طلاق دے دی تو پھر اس عورت کی بیٹی سے نکاح حرام نہیں ہے۔

③ باپ کی بیوی۔ یعنی سوتیلی ماں، سوتیلی نانی یا سوتیلی دادی۔

④ بیٹے کی بیوی۔ یعنی بہو، پوتے کی بیوی اور نواسے کی بیوی۔

سببی محرمات

ماقبل بیان کردہ محرمات کے بارے میں یہ نوٹ کر لیں کہ یہ محرماتِ ابدیہ ہیں کہ جن کے ساتھ کسی حال میں، کسی بھی وقت شادی نہیں ہو سکتی، البتہ کچھ محرمات عارضی ہوتے ہیں یعنی ان کی حرمت کسی سبب کی بنا پر ہے اور جب وہ سبب ختم ہو جائے گا تو حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

① مرد کا اپنی سالی سے نکاح کرنا حرام ہے مگر اس وقت تک جب تک اس کی بہن اس مرد کے نکاح میں ہے۔ اگر یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ مر جائے تو اب یہ حرمت ختم ہو جائے گی۔ اب اگر یہ مرد چاہے تو اپنی سالی سے نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا:

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (النساء: ۲۳)

''اور (یہ بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر و سوائے اس کے جو گزر چکا ہے۔''

② مرد کا بیوی کی خالہ، پھوپھی، بھتیجی اور بھانجی سے نکاح کرنا بھی اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ اس کے عقدِ نکاح میں ہے۔ جب یہ عقدِ نکاح طلاق یا وفات کے ساتھ ختم ہو جائے تو یہ حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُنْكَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا اَوْ خَالَتِهَا))[۱۱۴]

''رسول اللہ ﷺ نے بھتیجی اور چچی یا بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا۔''

③ کسی کی بیوی سے نکاح کرنا اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ کسی کے عقد نکاح میں ہے اور اگر یہ عقدِ نکاح کسی وجہ سے ختم ہوگیا تو اب اس سے نکاح جائز ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء:۲۴)

''اور وہ عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی اور کے نکاح میں ہوں۔''

④ کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ (البقرۃ:۲۳۵)

''اور مت باندھو گرہ نکاح کی جب تک کہ قانونِ شریعت (عدّت) اپنی مدت کو نہ پہنچ جائے۔''

کتاب اللہ میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن (البقرۃ:۲۳۴) اور مطلقہ کی تین ماہ (البقرۃ:۲۲۸) مقرر کی گئی ہے۔اس مدت کا پورا ہونا ضروری ہے اور اس سے پہلے اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔

⑤ جس عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے تو اب اس عورت کا خاوند اِس کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا' البتہ حلالہ کے بعد اس کی اجازت ہے۔یعنی وہ عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرے' پھر دوسرے شوہر سے بھی اس کی نہ بنے اور وہ بھی اس کو طلاق دے دے' اب پہلا خاوند اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (البقرۃ)

''پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) اسے طلاق دے دے تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے جائز نہیں ہے' جب تک کہ وہ عورت کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔پس اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو اب کوئی گناہ نہیں ہوگا ان دونوں پر

کہ وہ مراجعت (یعنی دوبارہ نکاح) کرلیں اگر ان کو یہ یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کی پاسداری کرسکیں گے۔اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں جن کو وہ واضح کررہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنا چاہیں۔''

⑥ ایک مؤمن مرد کا زانی عورت سے اور ایک مؤمنہ عورت کا زانی مرد سے نکاح کرنا پسندیدہ نہیں ہے' لیکن اگر وہ یقینی طور پر توبہ تائب ہوجائے تو پھر ان سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں ہے۔سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ؗ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (النور)

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ عورت نکاح نہیں کرتی مگر زانی یا مشرک مرد سے۔اور اہل ایمان پر یہ (یعنی زنا اور شرک کے مرتکب سے نکاح) حرام کردیا گیا ہے۔''

مشرک سے نکاح حرام ہے

ایک مسلمان مرد کسی مشرک عورت اور ایک مسلمان عورت کسی مشرک مرد سے نکاح نہیں کرسکتی۔اس کا حکم قرآن وسنت دونوں میں موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ (البقرۃ:۲۲۱)

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔اور ایک مؤمنہ لونڈی بہتر ہے ایک آزاد مشرکہ عورت سے اگرچہ وہ تمہیں اچھی بھی لگتی ہو۔اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔اور ایک مؤمن غلام بہتر ہے ایک آزاد مشرک مرد سے اگرچہ وہ تمہیں پسند بھی ہو۔''

تمام فقہی کتب میں مجوسی اور بُت پرست عورتوں کے ساتھ نکاح کو ناجائز لکھا ہے۔ہدایہ میں بھی مجوسی عورت سے نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح فتاویٰ

قاضی خان میں اور کنز الدقائق میں بھی مشرکہ اور بُت پرست عورت سے نکاح کو حرام کہا گیا ہے۔[115]

تعدّدِ ازدواج

اسلام کے ازدواجی قوانین میں ایک اہم قانون تعدد ازدواج کا ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے اور اسلام کے اس حکم کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (النساء)

''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار تک۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔''

اگر ہم باقی مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی ہمیں تعدد ازدواج کا تصور ملتا ہے مگر وہ تصور اسلام کی طرح شفاف نہیں ہے اور زیادہ بیویوں کی صورت میں عدل کا تصور اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا معاشرہ میں موجود نہیں ہے۔

ہندومت میں تعدد ازدواج کو برا سمجھا جاتا تھا اور ابتدائی دور میں اس پر پابندی تھی مگر اب تعدد ازدواج کی اجازت ہے، لیکن ایک ہندو مرد کتنی بیویاں رکھ سکتا ہے اس کے بارے میں ان کا قانون یہ ہے کہ برہمن کے لیے چار بیویاں، کھشتری کے لیے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے صرف ایک بیوی رکھنے کی اجازت ہے یعنی ذات کے اعتبار سے تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔

اسی طرح یہودیت میں بھی تعدد ازدواج جائز ہے مگر اس کی کوئی حد یہودیت میں بیان نہیں کی گئی یعنی ایک مرد لاتعداد عورتوں سے بیاہ کر سکتا ہے جبکہ عیسائیت میں تعددِ

ازدواج کو بہت برا تصور کیا جاتا ہے اور عیسائی اسلام کے اس حکم پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تعدد ازدواج کا حکم عورتوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔ بعد میں ان کے اپنے فلاسفروں نے اس حکم کے فوائد دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ تعدد ازدواج معاشرہ کے لیے ناگزیر ہے اس لیے اب عیسائیت میں بھی ایک مرد کو کئی بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

تعددِ ازدواج کے فوائد

اسلام نے تعدد ازدواج کا حکم جاری کر کے لوگوں کو فحاشی اور بدکاری جیسے گناہوں سے دور کیا اور اس کے علاوہ بھی اس کے کئی فوائد ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

① ایک سے زیادہ نکاح کرنے سے مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور روابط میں اضافہ ہوتا ہے۔

② زیادہ نکاح کرنا فطری تقاضا ہے اس لیے کہ عموماً لڑائیوں اور جنگوں میں مرد ہی کام آتے ہیں اور پھر مرد کم اور عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس کا حل صرف یہی ہے کہ مردوں کو زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی جائے۔

③ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی تو اب اس عورت کو طلاق دے کر اس کے والدین اور بھائیوں پر بوجھ بنانے سے بہتر ہے کہ مرد اس عورت کے ساتھ کسی اور عورت سے نکاح کر لے۔

④ عورت کو ہر ماہ حیض (monthly maneses) کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس دنوں تک آتا ہے اور اس کے علاوہ ولادت کے وقت چالیس دن نفاس آتا ہے اور ان دنوں میں عورتوں سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اب وہ مرد جسے بدکاری میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو وہ برائی سے بچنے کے لیے دوسرا بیاہ کر سکتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی تعدد ازدواج کے بہت سے فوائد ہیں جن کی بنا پر غیر مسلم بھی تعددِ ازدواج کو جائز قرار دے رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کو ظلم قرار دیتے تھے۔

اسلام میں مشترکہ بیوی کا قانون نہیں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تعددِ ازدواج کے اتنے فوائد ہیں تو پھر عورتوں کو بھی اس کی اجازت ہونی چاہیے تھی کہ ایک عورت چار مردوں کی مشترکہ بیوی ہوتی یعنی ایک وقت میں اس کے چار خاوند ہوتے، حالانکہ اسلام نے مردوں کو تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے جب کہ عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس کی کیا حکمت ہے؟

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر مرد کے لیے ایک مخصوص بیوی نہ ہوتی اور اس میں کوئی دوسرا مرد شریک ہوتا تو یقیناً باہمی رقابت کی وجہ سے ان میں لڑائیاں ہوتیں جن کا حیوانات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور اسکی وجہ سے نظام منزّلی کا قائم رکھنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہوتا۔''[116]

صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں؟

قرآن کریم کی ماقبل بیان کردہ آیت اور بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے اور ایک مرد ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے چار کی قید کیوں لگائی؟ اگر تعدد ازداج کی اجازت دینی تھی تو مطلقاً اجازت ہوتی کہ ایک مرد جتنی چاہے بیویاں کر لیتا جیسا کہ باقی مذاہب میں اس کا تصور ملتا ہے۔ اس کی مختلف وجوہ ہیں:

① اگر تعدد ازدواج کو مطلقاً جائز قرار دے دیتے تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر سینکڑوں بیویاں کر لیتے اور ایسا کرنے سے ان بیویوں اور خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔ اس لیے اسلام نے چار کی قید لگائی کہ جب اس سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو پھر زائد کو ناجائز قرار دے دیا۔[117]

② چار کی قید کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عورت فی نفسہٖ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک طہر یعنی ایک ماہ میں کم از کم اس سے ایک بار ہم بستری ہو اور دوسری طرف متوسّط قوّت کا مرد ہفتہ میں ایک بار صُحبت کرنے سے اپنی صحت محفوظ رکھ سکتا ہے

یعنی ایک ماہ میں وہ چار بار ہم بستری کر سکتا ہے۔ اب اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوا کہ اگر چار عورتیں ہوں گی تو مرد ہر ماہ میں ان میں سے ہر ایک سے ایک بار ہم بستری کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے مرد کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے سے منع فرما دیا۔[118]

تعدد ازدواج کی مشروط اجازت

تعدد ازدواج کے بارے میں دو باتیں بہت ضروری ہیں: (۱) اسلام نے تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے اور جس شخص کی ضرورت ایک نکاح سے پوری ہو جاتی ہے اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا مناسب نہیں ہے۔ (۲) تعدد ازدواج کی اجازت بھی عدل کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ قرآن کی آیت سے ہی واضح ہو رہی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (النساء)

''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار تک۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔''

مندرجہ بالا آیت میں تعدد ازدواج کو عدل کی شرط سے مشروط کیا گیا ہے جبکہ سورۃ النساء ہی کی آیت میں بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے اور ایک بیوی کی طرف جھک جانے والے کے لیے سخت وعید آئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء)

''اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف کر سکو،

چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص ہو تو ایسا نہ ہو کہ تم ایک ہی کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلّق کر کے چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔''

ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں میں (اگر ایک سے زائد ہیں) عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو' دوسری شادی مت کرو۔ اگر تمہیں کُلّی طور پر اطمینان ہے' اپنے اوپر اعتماد ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو تب دوسری شادی کرو' ورنہ نہیں۔''(۱۱۹)

بیویوں کے درمیان عدل کرنا تعدد ازدواج کی لازمی اور ضروری شرط ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والے شوہر کو سخت وعید سنائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَاَتَانِ يَمِيْلُ مَعَ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَحَدُ شِقَّيْهِ سَاقِطٌ))(۱۲۰)

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں سے ایک کی طرف زیادہ جھکے تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا (یعنی ضائع ہوا) ہوگا۔''

سید ضیاء الدین اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلام نے مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط کر دی ہے کہ جب مرد ان عورتوں میں برابری اور انصاف کرے۔ اگر کوئی شخص عورتوں میں برابری اور انصاف نہیں کرتا تو قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ پھر ایک ہی نکاح کافی ہے۔''(۱۲۱)

نوٹ: یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ مساوات اور عدل ان چیزوں میں ہے جن میں انسان کا اختیار ہوتا ہے اور وہ چیزیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں ان میں مساوات ضروری نہیں' مثلاً کسی ایک سے زیادہ پیار ہونا وغیرہ' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہی ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی تمام ازواج کے

درمیان) انصاف اور عدل کیا کرتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ))(۱۲۲)

''اے اللہ! یہ میری (عدل و انصاف پر مبنی) تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ اب وہ چیزیں جو میرے اختیار میں نہیں بلکہ تیرے اختیار میں ہیں' ان پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔''

خلاصہ

اس ساری بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کا تعددِ ازدواج کا قانون بھی باقی قوانین کی طرح حکمتوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ غیر مسلموں کو ان حکمتوں کی پہچان اب جا کر ہوئی ہے اور غیر مسلموں نے جو یہ الزام لگایا کہ یہ قانون عورت پر ظلم ہے' یہ بھی سراسر غلط ثابت ہو گیا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام جو ستم رسیدہ انسانوں کے لیے عدل و مساوات کا پیغام لے کر آیا اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی دادرسی کی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے۔ اس لیے اسلام نے تعدد ازدواج کے قانون کے ذریعے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے کیونکہ اسلام سے قبل اور باقی مذاہب میں تعدد ازدواج کی کوئی حد نہیں ہے ایک شخص جتنی چاہے شادیاں کر سکتا ہے جبکہ اسلام نے اسے چار کی قید میں بند کیا اور عدل کے ساتھ اس قانون کو مقید کر دیا۔

بیوہ کا نکاحِ ثانی

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ دنیا کے تمام مذاہب و اقوام میں مظلومیت کا شکار رہی ہے۔ ہندوستان میں تو عورت کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا ہے اور جب اس کا شوہر مر جائے اور وہ بیوہ ہو جائے تو پھر اس پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کی قاتل ہے جس کی وجہ سے اسے درندگی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ہندوستانی بیوائیں اپنے شوہر کے ساتھ ہی مر جانے کو ترجیح دیتی تھیں۔ اس کی وجہ شوہر سے وفاداری نہیں بلکہ اس زندگی سے گریز ہے جو شوہر کی وفات کے بعد

شروع ہوئی ہے۔ اگر چہ بعد میں اس ستی کی رسم کو غیر انسانی قرار دے کر ختم کر دیا گیا مگر ہندو معاشرہ میں بیوہ کی حالت اب بھی ویسی کی ویسی ہے اور آج بھی بعض علاقوں میں بیوائیں جانور سے بدتر زندگی سے موت کو ترجیح دیتے ہوئے خودکشی کر لیتی ہیں۔

یہودیت اور عیسائیت میں بھی بیوہ مظلومیت کی علامت ہے اور بیوہ کو دوسری شادی کا آزادانہ اختیار نہیں ہے۔ یہودیت میں تو بیوہ کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے بھائی سے شادی کرے اور اس شادی کے لیے اس کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ عیسائیت میں بھی بیوہ کی حالت دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے۔

اسلام نے جہاں باقی تمام برائیوں کو ختم کر کے لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیے وہاں شریعتِ اسلامیہ نے بیوہ عورت کے بارے میں تمام پرانے اور دقیانوس خیالات کا خاتمہ کر کے اسے ایک عزت دار زندگی گزارنے کا حق دیا اور اسے اجازت دی کہ وہ عدت گزارنے کے بعد جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے اور اسے اس پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ (البقرۃ)

''اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک۔ پس جب وہ اپنی اس مدت تک پہنچ جائیں (یعنی عدت گزار لیں) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس معاملے میں جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

اس آیت میں واضح طور پر یہ حکم دے دیا گیا کہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے خود کئی بیوہ عورتوں سے شادی کر کے ان کو عزت بخشی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ان کی تقلید میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نبی

کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ دوبارہ نکاح کرا سکتی ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مثلاً حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کا نکاح یکے بعد دیگرے چار اصحاب حضرت حذیفہ، حضرت شماخ بن سعید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن الاسود رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ (۱۲۳)

اسی طرح حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آتا ہے جن کا نکاح بھی یکے بعد دیگرے حضرت عبداللہ، حضرت زید بن خطاب، حضرت عمر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ (۱۲۴)

قرآن و سنت سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اسلام میں بیوہ کو دوسری شادی کرنے اور معاشرہ میں عزت کی زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔

بیوہ کے بارے میں معاشرتی خرابیاں

بیوہ کو اسلام نے تمام جائز حقوق دیے ہیں لیکن ہمارا معاشرہ چونکہ ہندو تہذیب کے ساتھ کافی زمانہ رہا ہے اس لیے اس معاشرہ میں بھی بیوہ کے بارے میں بہت سی خرافات وجود میں آ گئی ہیں جن میں سے چند ایک کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

① **موت سے زوجین کو نامحرم سمجھنا:** عموماً لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ مرتے ہی مرد و عورت کا تعلقِ ازدواج ختم ہو جاتا ہے۔ اب نہ مرد عورت کی میت کو دیکھ سکتا ہے اور نہ عورت اپنے مرے شوہر کو اور نہ وہ اپنے جیون ساتھی کو غسل دے سکتے ہیں، حالانکہ اسلام نے تو ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ یہ جہالت صرف سنی سنائی باتوں کو بیان کرنے سے رواج پا گئی، حالانکہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا مشہور قاعدہ ہے: ''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے'' —— پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب ''اسلامی تہوار اور رسومات'' میں اس خرابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''ہمارے ہاں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ موت کے بعد میاں اور بیوی کا رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نہ تو خاوند اپنی بیوی کی میت کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ امروز کے بعض قارئین نے اس بارے

میں راقم سے استفسار کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ بات دل کو نہیں لگتی کہ موت کے فوراً بعد زندگی بھر کے ساتھیوں کا رشتہ اس طرح سے منقطع ہو جائے۔'' (125)

شریعتِ اسلامیہ میں اس قسم کی کوئی پابندی نظر نہیں آتی کہ موت کے ساتھ ہی یہ رشتہ زوجیّت ختم ہو جائے اور میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے نامحرم بن جائیں۔ہم یہاں چند واقعات کو بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کی میت کو غسل دیا اور بیوی نے اپنے شوہر کی میت کو۔نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((مَاضَرَّكِ لَوْمِتِّ قَبْلِيْ فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَ صَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ)) (126)

''اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں تو تم پر کوئی ضرر نہیں ۔میں خود تمہیں غسل دوں گا اور تمہیں کفن پہناؤں گا۔اور تمہاری نماز جنازہ پڑھ کے خود تمہیں دفن کروں گا۔''

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت کی کہ وفات کے بعد وہی ان کو غسل دیں۔چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا' لیکن وہ اکیلے اس کام کو نہیں کر سکتی تھیں اس لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کی۔ (127)

ان واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ موت سے مرد و عورت کا رشتہ زوجیت ختم نہیں ہو جاتا۔وہ غسل بھی دے سکتے ہیں اور میت کو دیکھ اور چھو بھی سکتے ہیں۔

② **مسلم معاشرہ میں بیوہ کے نکاح کو بُرا سمجھنا:** برصغیر کا مسلم معاشرہ چونکہ ہندوستانی تہذیب اور رسم و رواج سے متاثر نظر آتا ہے اس لیے ہندو معاشرہ کو دیکھتے ہوئے اب مسلمان معاشرے میں بھی بیوہ کے ساتھ وہی ظلم آمیز سلوک کیا جاتا ہے اور بیوہ کی دوسری شادی کو برا تصور کیا جاتا ہے اور بیوہ عورت سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد اب وہ دوسری شادی کی خواہش اپنے دل سے نکال دے گی۔حالانکہ بیوہ عورت کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت قرآن نے دی ہے اور نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے (جیسا کہ ہم نے ماقبل بیان کر دیا)۔ان تمام باتوں کے باجود بیوہ کے بارے میں ایسا ہندوانہ خیال

رکھنا کتنی بے عقلی کی بات ہے۔پروفیسر رفیع اللہ شہاب اس بارے میں لکھتے ہیں:

''شریعتِ اسلامی نے بیوہ عورت کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا خاتمہ کیا۔خود رسول اللہ ﷺ نے انہی بیوہ عورتوں سے شادی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کی تقلید کی۔تمام اسلامی ادوار میں اس پر عمل ہوتا رہا تاہم برصغیر کا مسلم معاشرہ چونکہ ہندو رسم و رواج سے متاثر ہوا اس لیے ہمارے ہاں ابھی تک بیوہ کے ساتھ نکاح کو پسندیدہ شمار نہیں کیا جاتا لیکن ان لوگوں کی بھی کمی نہیں جواب بھی اس بارے میں اسلامی احکامات پر صدقِ دل سے عمل کراتے ہیں۔'' (128)

ہمیں چاہیے کہ ہم ہندوانہ رسم چھوڑ کر بیوہ کے بارے میں اس طریقے سے فیصلہ کریں جس طرح اسلام ہمیں حکم دیتا ہے اور بیوہ کی دوسری شادی پر کوئی قدغن یا پابندی نہ لگائیں اور اسے معاشرے میں بھی وہ مقام دیں جو نبی کریم ﷺ نے دیا ہے۔

اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آتی ہے کہ کنواری کی نسبت بیوہ کی شادی زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ کنواری لڑکی کو صالح زوجیت کا علم نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو صرف علم ہوتا ہے مشاہدہ نہیں' جبکہ بیوہ کو عین الیقین یعنی مشاہدہ ہو گیا ہوتا ہے اور ایسی حالت میں وساوس زیادہ آتے ہیں اور کبھی زندگی' کبھی آبرو' کبھی دین' اور کبھی سب کچھ ہی برباد ہو جاتا ہے اس لیے بیوہ کی شادی کر دینے میں ہی فائدہ ہے۔ (129)

مطلقہ کا نکاحِ ثانی

اسلام کے علاوہ اگر باقی مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندومت' یہودیت اور عیسائیت کسی بھی مذہب میں طلاق کا تصور ہی موجود نہیں ہے اور مذہباً طلاق دینے کی ایک ہی صورت بیان کی جاتی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو زنا کی حالت میں دیکھ لے تو وہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو ان مذاہب میں اس کا دوسرا نکاح کسی صورت بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی مطلقہ سے شادی کرے۔بائبل میں اس بارے میں واضح احکامات موجود ہیں کہ مطلقہ سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

اسلام نے باقی قوانین کی طرح مطلقہ کے بارے میں بھی فطرت کے مطابق حکم دیا ہے اور مطلقہ کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے اس کو دوسرا بیاہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

’’اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو‘ پھر وہ اپنی عدت پوری کر لیں‘ تو مت آڑے آؤ اس میں کہ وہ عورتیں پھر نکاح کر لیں اپنے سابق ازواج سے‘ جبکہ وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کی نصیحت کی جا رہی ہے تم میں سے اس کو جو واقعتاً اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی طریقہ تمہارے لیے زیادہ پاک اور زیادہ عمدہ ہے۔ اور اللہ جانتا ہے‘ تم نہیں جانتے۔‘‘

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا شان نزول بیان کر کے یہ واضح کر دیا کہ عورت کو نہ تو پہلا خاوند کہیں نکاح کرنے سے روک سکتا ہے اور نہ مطلقہ عورت کا ولی اسے نکاح سے روک سکتا ہے:

’’ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی۔ جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا‘ عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا۔ اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبود کو ملحوظ رکھو۔ اسی کے موافق نکاح ہونا چاہیے۔ اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں سب کو خواہ زوجِ اول جس نے طلاق دی ہے وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں سب کو روکنے سے ممانعت آ گئی۔ ہاں اگر خلافِ قاعدہ کوئی بات ہو‘ مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک

ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔ بالمعروف فرمانے کا یہی مطلب ہے۔‘‘ ﴿۱۳۰﴾

سورۃ الاحزاب میں حضرت زینب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کا قصہ بیان ہوا ہے۔ پہلے ان دونوں کا نکاح ہو گیا‘ لیکن کسی وجہ سے ان میں نبھا نہیں ہو سکا تو حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

’’پھر جب زید نے ان سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی ان کو طلاق دے دی) تو ہم نے ان کو آپ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے نکاح میں دے دیا تاکہ مؤمنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں) کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں (یعنی طلاق دے دیں)۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا ہے۔‘‘

ان آیاتِ قرآنی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوا کہ مطلقہ سے نکاح کرنے یا مطلقہ کا نکاح کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ عورت کا فطرتی حق ہے اور اسلام ہر شخص کے فطرتی حق کی نہ صرف حفاظت کرتا ہے بلکہ اس کا ضامن بھی ہے۔

زنا اور حدِّ زنا

زنا کی حد اور اس کی سزا کو بیان کرنے سے پہلے ہم زنا کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ مسعود الکاسانی نے زنا کی بڑی جامع تعریف کی ہے:

اما الزنا فهو اسم للوطئ الحرام فى قبل المراة الحية فى حالة الاختيار فى دار العمل ممن التزم احكام الاسلام العارى عن حقيقة الملك وعن شبهه وعن حق الملك وعن حقيقة النكاح وشبهة وعن الاشتباه فى موضع الاشباه فى الملك والنكاح جميعا ﴿۱۳۱﴾

’’زنا اس حرام جماع کو کہتے ہیں جو دارالاسلام میں کسی بالغ مرد کی طرف سے زندہ عورت کی شرمگاہ میں حالتِ اختیار میں کیا جائے اور اس عورت سے مرد کا

صحیح نکاح نہ ہوا ہو' نہ شبہ نکاح ہوا ور نہ فاسد نکاح ہوا ہو۔''

اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ نے زنا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اسلامی میں زنا سے مراد ایسی عورت کے ساتھ (کسی مرد کے) مکمل قسم کے جنسی تعلقات ہیں جو شرعاً صحیح نکاح کے ذریعے مرد کی زوجیت میں نہ ہو' اپنی مطلقہ بائنہ ہو' عقد فاسد سے نکاح میں لایا ہو یا محرمات میں سے ہو حتیٰ کہ نکاح کے بعد بھی محرمات میں سے کسی کے ساتھ مجامعت یا جنسی تعلقات زنا میں شامل ہیں۔''(۱۳۲)

حنفی فقہاء کے نزدیک زنا کی تعریف یہ ہے:

''کوئی مرد عورت کے فرج میں مالک ہونے یا ملکیت کے شبہ کے بغیر جماع کرے۔''(۱۳۳)

زنا کی حد

زنا کی ان تعریفات کو بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کی سزا کو بیان کرتے ہیں۔ ہم نے ماقبل ابواب میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں زنا کی سزا کو بیان کیا' ان کا اسلامی تعلیمات سے موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں اس کی سزا' اسلام کی حد زنا سے مختلف ہے۔

ہندومت میں زنا بالرضا تو زنا کے زمرے میں نہیں آتا اس لیے اس پر کوئی سزا نہیں ہے اور باقی رہ گیا زنا بالجبر۔ اس کے بارے میں قاعدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر بڑی ذات کا مرد چھوٹی ذات کی عورت سے زنا کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے اور اگر چھوٹی ذات کا مرد بڑی ذات کی عورت سے زنا کرے تو اس کے لیے سزا ہے' بعض دفعہ اسے قتل کی سزا کا حکم ہے اور بعض دفعہ عضوِ تناسل کے کاٹنے کا۔

یہودیت اور عیسائیت چونکہ آسمانی مذاہب میں شمار ہوتے ہیں اس لیے ان کے قانون فطرت کے مطابق نظر آتے ہیں۔ ان میں زنا کی سزا رجم ہے' مگر یہودی معاشرہ میں اگر کوئی بڑا زنا کرتا تو اس کو رجم کی سزا نہیں دی جاتی تھی بلکہ اس کا منہ کالا کر دیا جاتا تھا اور اگر کوئی عام آدمی زنا کرتا تو اس کو رجم کر دیا جاتا۔

اسلام کے تمام قانون فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں اور حد زنا کے معاملے میں بھی اسلام نے مساوات رکھی ہے۔ یعنی عام معاشرتی قوانین کی طرح حد زنا میں بھی کسی بڑے یا چھوٹے کا لحاظ نہیں کیا' بلکہ زنا کو کبیرہ گناہ قرار دے کر اس کی سخت سزا مقرر کی ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑ کر اس کام سے باز آجائیں۔ بقول ڈاکٹر عابد علی:

''زنا چونکہ دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ عصمت اور انسانی حسب و نسب پر دست درازی ہے اس لیے اس کی حد بھی اشد الحدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا تمام شرائعِ سماویہ اور ملتِ اسلامیہ کے تمام فرقوں کے نزدیک حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علمائے اسلام نے زنا کو فواحش الکبائر اور کبائر العظام قرار دیا ہے۔''(۱۳۴)

غیر شادی شدہ کی سزا

ابتدائے اسلام میں اگر کوئی عورت زنا جیسے گھٹیا فعل کا ارتکاب کرتی تھی تو اسے ایک کمرے میں بند کر دیا جاتا تھا' حتیٰ کہ وہ اس قید میں مر جاتی تھی اور مرد کو جسمانی سزا دی جاتی تھی۔ اس کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے:

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت ان کو آلے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔ اور جو دونوں تم میں سے اس (بدکاری) کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

ڈاکٹر اسرار احمدؒ ''بیان القرآن'' میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی لڑکیوں یا عورتوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں میں سے تھیں مگر ان کا بدکاری کا معاملہ کسی غیر مسلم مرد سے ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی کہ انہیں تا حکمِ ثانی گھروں کے اندر محبوس رکھا جائے...... (دوسری آیت میں فرمایا کہ) اگر بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت دونوں مسلمانوں میں سے ہی ہوں تو دونوں کو اذیت دی جائے۔ یعنی ان کی توہین و تذلیل کی جائے اور مارا پیٹا جائے۔''(۱۳۵)

سورۃ النور میں زنا کرنے والے مرد اور عورت کی سزا کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت نے زنا کا ارتکاب کیا اور وہ غیر شادی شدہ ہوں تو ان کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور)

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے حکم (پورا کرنے) میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو۔''

شادی شدہ کی سزا

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے اسلام نے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی حدِ زنا میں فرق رکھا ہے۔ شادی شدہ زنا کرنے والے کے لیے کوڑوں کے بجائے ''رجم'' کی سزا اسلام نے مقرر کی ہے—— رجم کا حکم احادیث سے ملتا ہے اور تمام علماء و فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت زنا جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو تو اس کو رجم کی سزا دی جائے گی۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وقد اجماع الصحابة رضی اللہ عنہم ومن تقدم من السلف و علماء الامة و ائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت(۱۳۶)

قاضی بیضاوی نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہ کوڑے والی سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے اور جو محصن یعنی شادی شدہ ہے اس کے لیے رجم کی سزا ہے:

وهو حكم يخص بمن ليس بمحصن لما دل على ان حد المحصن هو الرجم(۱۳۷)

اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام ایک فطرتی دین ہے جس کے تمام احکامات انسان کی منشا کے مطابق ہیں۔ باقی مذاہب سے برعکس زنا کی سزا کا جو تصور اسلام نے پیش کیا ایسا تصور کسی مذہب یا معاشرہ میں نہیں ملتا۔

کنواروں کے لیے کوڑے اور شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا اسلام کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ شادی شدہ کے لیے اس لیے اتنی سخت سزا رکھی ہے کیونکہ وہ جائز ذرائع سے بھی اپنی خواہش پوری کر سکتا تھا یا وہ دوسری شادی کر کے اپنی خواہش کی تسکین کر سکتا تھا' مگر اس نے جائز ذرائع کو چھوڑ کر ناجائز ذریعہ اختیار کیا اس لیے اس کو اتنی سخت سزا دی جا رہی ہے تا کہ باقی لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

خلاصۂ بحث

اس باب میں اسلام کے عائلی قوانین کو بیان کر کے ان کا موازنہ باقی مذاہب کے عائلی قوانین سے کیا گیا ہے۔ اس تقابل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کے باقی معاملات کی طرح اسلام کی شادی بیاہ کی تعلیمات بھی سب سے اعلیٰ اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اسلام نے عورت کو وہ عزت اور وہ مقام دیا ہے جس کی وہ یقینی طور پر حق دار تھی اور اسے مرد کے مساوی قرار دے کر اس کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام میں میاں بیوی کے اختیارات مساوی ہیں مگر خاندان اور گھر کی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت دی گئی ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ عورت غلام کی

حیثیت سے زندگی گزارے گی بلکہ عورت کو تمام حقوق حاصل ہوں گے۔

اسلام نے جسمانی خوبصورتی اور دنیوی جاہ وجلال کے بجائے شادی کے لیے دین داری کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔منگنی ہو جانے کے بعد منگیتر کو دیکھنا اور پیامِ نکاح پر پیام بھیجنے کی پابندی' نکاح کا سادہ اور آسان طریقہ اور عورت کے لیے مہر کا وجوب' یہ سب قوانینِ اسلام کے فطرتی ہونے کی علامات ہیں۔

اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا مگر ضروری نہیں کہ ہر شخص ایک سے زیادہ شادیاں کرے بلکہ ضرورت کے تحت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور تعددِ ازدواج کے لیے چار کی حد بھی مقرر کی تاکہ مرد اپنی جان پر بھی ظلم نہ کرے اور نہ اپنی بیویوں پر۔تعدد ازدواج کے سلسلے میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس کو عدل کے ساتھ مشروط کر کے عورتوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

زنا کے بارے میں بھی اسلامی قانون فطرت کے عین مطابق ہے کہ اگر کنوارا مرد یا عورت زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا جیسے برے فعل کا ارتکاب کریں تو ان کو رجم کی سزا دی جائے گی۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اسلام نے نکاح کے معاملے کو بہت آسان بنایا' مگر ہمارے معاشرے میں اس کو بہت پیچیدہ بنا دیا گیا اور ایسی ایسی رسومات کو اس میں شامل کر لیا گیا جن کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔یہی وہ رسومات اور خرافات ہیں جن کی وجہ سے لوگ پریشان نظر آتے ہیں۔آج بھی اگر نکاح کے معاملے کو اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق سرانجام دیا جائے تو اس سے آسان اور کوئی معاملہ نہیں ہے۔وما توفیقی الا باللہ!

الغرض اسلام کے تمام قوانین بہت آسان اور قابلِ عمل ہیں اور ان قوانین میں انسانی فطرت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔اسلام کا ازدواجی نظام بھی باقی نظاموں کی طرح ایک فطرتی نظام ہے جس کو قرآن پاک نے مجملاً اور سنتِ رسول نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

حواشی (باب پنجم)

① اسلام کا معاشرتی نظام' ص۱۳۴۔

② سیرتِ محبوبِ کائنات' ص۵۶۔

③ بیان القرآن' ج۲' ص۲۹۸۔

④ اسلام کا فوجداری قانون' ص۳۱۔

⑤ آدابِ شہریت' ص۹۸۔۹۹۔

⑥ بیان القرآن' جلد۸' ص۷۔

⑦ صحیح البخاری'کتاب النکاح'باب من لم یستطع الباء ۃ فلیصم۔ وصحیح مسلم'کتاب النکاح'باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه......

⑧ سنن ابی داؤد'کتاب النکاح' باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء۔ وسنن النسائی'کتاب النکاح'باب کراھیة تزویج العقیم۔

⑨ عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام' ص۱۶۴۔

⑩ صحیح مسلم ' کتاب الزکوۃ' باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف۔

⑪ صحیح البخاری'کتاب النکاح' باب الاکفاء فی الدین۔وصحیح مسلم'کتاب الرضاع'باب استحباب نکاح ذات الدین۔

⑫ ہدیۃ العروس' ص۴۳۔

⑬ مسنداحمد'کتاب مسند العشرۃ المبشرین بالجنة' راوی:سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما

⑭ صحیح مسلم'کتاب الرضاع' باب خیرمتاع الدنیا المرأۃ الصالحة۔

⑮ شادی کا شرعی معیار' ص۴۲۔

⑯ سنن ابن ماجه'کتاب النکاح'باب تزویج الابکار۔

⑰ صحیح البخاری'کتاب البیوع'باب شراء الدواب والحمر......

⑱ سنن ابی داؤد'کتاب النکاح' باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء۔ وسنن النسائی'کتاب النکاح'باب کراھیة تزویج العقیم۔

(۱۹) مصنف ابن ابی شیبه، کتاب النکاح، باب المرأة الصالحة و السيئة الخلق۔
(۲۰) **مجموعہ قوانین اسلام، جلد اول، ص ۲۶۳، ۲۶۴۔**
(۲۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب عرض الامرأة نفسها علی الرجل الصالح۔
(۲۲) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب السلطان ولی لقول النبی ﷺ زوجنا کها بمامعك......
(۲۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قول الله تعالیٰ: ﴿**فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ**﴾۔
(۲۴) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه حتی یاذن او یترك۔
(۲۵) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبة اخیه حتی ینکح او یدع۔
(۲۶) **عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، ص ۱۷۳۔**
(۲۷) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی مرأة وهو یرید تزویجها۔
(۲۸) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها۔
(۲۹) **ہدیۃ العروس، ص ۱۰۴۔**
(۳۰) **اصلاح الرسوم، ص ۵۶۔**
(۳۱) **ہدیۃ العروس، ص ۱۰۱۔**
(۳۲) **اصلاح الرسوم، ص ۵۴۔**
(۳۳) **جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین، ص ۶۹۔**
(۳۴) **عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، ص ۱۶۴۔۱۶۵۔**
(۳۵) **اسلامی شادی، ص ۱۱۶۔**
(۳۶) **عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، ص ۱۶۵۔**
(۳۷) سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی تعجیل الجنازة۔ قال ابو عیسیٰ هذا حدیثٌ غریبٌ حسنٌ۔
(۳۸) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔
(۳۹) **اسلامی شادی، ص ۱۱۵۔**

(۴۰) **بحوالہ: جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین، ص ۶۹۔**
(۴۱) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة۔
(۴۲) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة۔
(۴۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لاینکح الاب وغیره البکر والثیب الا برضاها۔
(۴۴) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح با لنطق والبکر بالسکوت۔
(۴۵) **بحوالہ اشرف الہدایہ، ج ۴، ص ۵۵۔**
(۴۶) **حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲۔**
(۴۷) ہدایه، کتاب النکاح، جلد ۲، ص ۲۸۶۔
(۴۸) **اسلام کے عائلی قوانین، ص ۴۵۔**
(۴۹) **مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۱۲۲۔**
(۵۰) **اسلام کے عائلی قوانین، ص ۴۵۔**
(۵۱) فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، جلد ۱، ص ۲۹۷۔
(۵۲) ہدایه، کتاب النکاح، جلد ۲، ص ۲۸۲۔
(۵۳) **مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۱۰۲۔**
(۵۴) **ردالمحتار، جلد ۳، ص ۳۶۱۔ بحوالہ: اسلام کے عائلی قوانین، ص ۳۹۔**
(۵۵) **اسلام کے عائلی قوانین، ص ۳۹۔**
(۵۶) **اشرف الہدایہ، ج ۴، ص ۱۷۔**
(۵۷) **مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۳۴۔**
(۵۸) **ایضاً۔**
(۵۹) **اسلام کے عائلی قوانین، ص ۴۰۔۴۱۔**
(۶۰) **ایضاً، ص ۴۱۔**
(۶۱) **جدید فقہی مسائل، ص ۱۶۴۔۱۶۵۔**
(۶۲) **فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، جلد ۲، ص ۲۔ بحوالہ: مجموعہ قوانین اسلام، ج ۱، ص ۱۰۳۔۱۰۴۔**

۶۳ فتاویٰ رحیمیہ، جلد۳، ص۱۲۰۔ بحوالہ: شادی کا شرعی معیار، ص۸۸۔

۶۴ درالمختار، جلد۲، ص۴۳۴۔ بحوالہ: جدید فقہی مسائل، ص۳۔

۶۵ جدید فقہی مسائل، ص۱۶۴۔

۶۶ شادی کا شرعی معیار، ص۸۸۔

۶۷ کتاب الفقہ، ج۴، ص۹۹۔

۶۸ مجموعہ قوانین اسلام، ص۲۷۹۔

۶۹ ضیاء القرآن، ج۱، ص۳۱۹۔

۷۰ صحیحح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز تعلیم قرآن وخاتم حدید......

۷۱ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الشغار۔ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب تفسیر الشغار۔

۷۲ کتاب الفقہ، ج۴، ص۹۴۔

۷۳ اسلام میں حیثیتِ نسواں، ص۵۵۔

۷۴ اسلامی شادی، ص۳۳۔

۷۵ مسند احمد، کتاب اول مسند الکوفیین۔ راوی: صهیب بن سنان رضی اللہ عنہ۔

۷۶ شادی کا شرعی معیار، ص۹۶۔

۷۷ اسلامی شادی، ص۱۴۱۔

۷۸ شادی کا شرعی معیار، ص۹۷۔۹۸۔

۷۹ مذکورہ خطبہ مختلف روایات کا مجموعہ ہے۔ حوالہ جات کے لیے درج ذیل احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ہیں: (۱) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی خطبة النکاح۔ (۲) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی خطبة النکاح۔ (۳) سنن النسائی، کتاب الجمعہ، باب کیفیة الخطبة۔

۸۰ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الولیمة حق ۔ **اور متعدد مقامات۔**

۸۱ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الولیمة ولو بشاة ۔

۸۲ ایضاً۔

۸۳ فتاویٰ رحیمیہ، جلد۳، ص۱۲۶۔

۸۴ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة۔

۸۵ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة فقد عصی اللّٰہ ورسوله۔

۸۶ اسلامی شادی، ص۲۲۷۔

۸۷ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة۔

۸۸ ایضاً۔

۸۹ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی دخول الحمام۔ قال ابو عیسیٰ هذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ۔

۹۰ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمه، باب فی طعام المتباریین۔

۹۱ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب هل یرجع اذا رای منکرا فی الدعوة۔

۹۲ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الهدیة للعروس۔

۹۳ سیرت ابن ہشام، جلد۲، ص۳۵۹۔

۹۴ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب مایقال للمتزوج۔

۹۵ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کیف یدع للمتزوج۔

۹۶ اسلامی شادی، ص۱۷۳۔

۹۷ اسلامی شادی، ص۲۰۱۔

۹۸ ہدیۃ العروس، ص۱۷۲۔

۹۹ اسلامی شادی، ص۳۰۔

۱۰۰ ہدیۃ العروس، ص۱۷۴۔

۱۰۱ اسلامی شادی، ص۱۵۹۔

۱۰۲ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب ماجاء فی اجابة الدعوة۔

۱۰۳ صحیح البخاری، کتاب الاشربة، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر و یسمیه بغیر اسمه۔

۱۰۴ سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی اعلان النکاح۔

۱۰۵ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نسوة اللاتی یهدین المرأة الی زوجها ودعائهن۔

۱۰۶ ہدیۃ العروس‘ص۱۷۶۔

۱۰۷ بحوالہ اسلامی شادی‘ص۱۳۱۔

۱۰۸ ہدیۃ العروس‘ص۱۷۷۔

۱۰۹ ان رسومات کی تفصیل دیکھنے کے لیے ان کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے: (۱) اسلامی شادی‘ مولانا اشرف علی تھانوی (۲) ہدیۃ العروس‘ حافظ مبشر حسین (۳) شادی کا شرعی معیار‘ مفتی اسد اللہ نعمانی (۴) اصلاح الرسوم‘ مولانا اشرف علی تھانوی۔

۱۱۰ شادی ایک مطالعہ‘ص۱۸۱۔

۱۱۱ صحیح البخاری‘ کتاب الشهادات‘ باب الشهادة على الانساب والرضاع المستفيض والموت۔

۱۱۲ سنن النسائی‘کتاب النكاح‘ باب ما يحرم من الرضاع۔

۱۱۳ مجموعہ قوانین اسلام‘ جلد۱‘ص۱۵۷۔

۱۱۴ صحیح البخاری‘ کتاب النكاح‘ باب لا تنكح المرأة على عمتها۔

۱۱۵ بحوالہ: مجموعہ قوانین اسلام‘ ج۱‘ص۱۷۴۔

۱۱۶ حجۃ اللہ البالغۃ‘ جلد اول‘ص۲۷۴۔

۱۱۷ اسلامی شادی‘ص۲۳۷۔

۱۱۸ اسلامی شادی‘ص۲۳۷۔۲۳۸۔

۱۱۹ بیان القرآن‘ ج۲‘ص۲۰۸۔

۱۲۰ سنن ابن ماجه‘كتاب النكاح‘باب القسمة بين النساء۔وسنن النسائی‘كتاب عشرة النساء‘باب ميل الرجل الى بعض نسائه دون بعض۔

۱۲۱ عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام‘ص۱۷۳۔۱۷۴۔

۱۲۲ سنن ابی داؤد‘كتاب النكاح‘باب القسم بين النساء۔

۱۲۳ الطبقات الکبریٰ‘ ج۸‘ تذکرہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا‘ص۲۷۰۔

۱۲۴ ایضاً‘ تذکرہ عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا‘ص۲۶۵۔

۱۲۵ اسلامی تہوار اور رسومات‘ص۲۶۳۔

۱۲۶ سنن ابن ماجه‘كتاب ماجاء فى الجنائز‘با ب ما جاء فى غسل الرجل امرأته و

غسل المرأة زوجها۔

۱۲۷ بحوالہ: اسلامی تہوار اور رسومات‘ص۲۶۵۔

۱۲۸ عورتوں کے بارے میں قرآنی احکامات‘ص۳۷۔

۱۲۹ اسلامی شادی‘ص۵۳۔

۱۳۰ تفسیرِ عثمانی‘ص۴۶۔

۱۳۱ بدائع الصنائع‘ جلد۷‘ص۳۳۔۳۴۔

۱۳۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ‘ جلد۱۰‘ص۴۹۶۔

۱۳۳ المحلیٰ‘ج١٠‘ص١١٧۔

۱۳۴ عورت قرآن وسنت اور تاریخ کے آئینہ میں‘ص۵۳۹۔

۱۳۵ بیان القرآن‘ ج۲‘ص۱۳۲۔

۱۳۶ روح المعانی‘ص٧٨۔٧٩۔

۱۳۷ تفسیر بیضاوی‘ص٤٦٢۔

حرفِ آخر

آج سے چودہ سو سال پہلے وادی غیر ذی زرع میں مبعوث ہونے والے رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی معرفت سے اہلِ دنیا کو ربّ العالمین کا پیغام سنایا گیا اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ ہی کی وساطت سے کائناتِ انسانی کو قرآن پاک جیسا بے نظیر ولازوال منبع ہدایت عطا کیا گیا جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات سے متعلق مکمل نظام موجود ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا کامل اور اصولی نظام اسلامی تعلیمات میں نہ ہو۔

اسلام دین فطرت ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کے لیے ہدایات فراہم کرتا ہے۔ اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں ہے جو صرف انسان کی نجی اور انفرادی زندگی کا داعی ہو اور جس کا کُل سرمایہ چند عبادات اور چند افکار ورسومات پر مشتمل ہو' بلکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری کرتا ہے۔

گزشتہ ابواب میں ہندومت' یہودیت' عیسائیت اور اسلام کے تصورِ نکاح کو بیان کیا گیا۔ ان مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں نکاح سے متعلق قوانین کو زیر بحث لایا گیا اور شادی کی مذہبی اور معاشرتی رسومات کی بھی نشاندہی کی گئی۔

بعد از تحقیق مقالہ نگار نے محسوس کیا کہ غیر آسمانی مذہب ہندومت اور آسمانی مذاہب یہودیت وعیسائیت کا تصورِ نکاح اور قوانینِ نکاح عجیب وغریب اور افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ ان مذاہب اور معاشروں میں عورت کو کوئی عزت کی چیز نہیں سمجھا جاتا اور اس سے لونڈیوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں عجیب وغریب قانون بنا لیے گئے ہیں۔ ان مذاہب اور معاشروں میں ایک عام عورت سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے تو بیوی سے کیا سلوک کیا جاتا ہوگا' اس کا اندازہ اس سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے

کہ ان معاشروں میں بیوی کا کام خاوند کی خدمت کرنا اور بچے پیدا کرنا ہے' اس کے علاوہ اس کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔

ان مذاہب میں نکاح کے جو قوانین ہیں وہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہیں اور ہر ایک قانون عورت کی مظلومیت کو بیان کرتا ہے' مثلاً ایک مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ جتنی عورتوں سے چاہے شادی کرلے یعنی تعدد ازدواج کی کوئی حد نہیں ہے مگر دوسری طرف بیوہ یا مطلقہ عورت کو دوبارہ نکاح کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ ہندومت میں تو بیوہ کو ستی یعنی شوہر کے ساتھ جل جانے کا حکم ہے اور یہودیت میں بیوہ کو مرحوم شوہر کے بھائی سے بغیر اس کی رضا پوچھے شادی کرنے کا حکم ملتا ہے۔

ان مذاہب کے برعکس اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس میں ازدواجی زندگی کے متعلق بھی مکمل اور واضح احکامات دیے گئے ہیں اور اس میں میاں بیوی دونوں کے حقوق کی پاسداری کی گئی ہے۔

اسلام کا تصورِ نکاح اور نکاح سے متعلق دیگر قوانین باقی مذاہب کے قوانین کی نسبت مفید اور باعثِ رحمت ہیں اور دنیا کا کوئی بھی مذہب' معاشرہ یا تہذیب اس قانون کی ہمہ گیریت اور وسعت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

اسلام نے مذکورہ مذاہب کے برعکس مرد وعورت دونوں کے حقوق وفرائض مقرر کیے ہیں اور میاں بیوی میں مساوات کا وسیع نظریہ پیش کیا مگر خاندان کی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو عورت پر قوام بنایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی وہ مقام اور عزت دی ہے جس کی وہ حق دار تھی۔

اسلام نے بھی مرد کو تعدد ازدواج کی اجازت دی مگر باقی مذاہب کے برعکس اس کی ایک حد مقرر کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے ضرورت اور عدل کی شرط کے ساتھ مشروط کیا تاکہ عورتوں کے حقوق کی نفی نہ ہو۔ تعصّب سے پاک غیر مسلم بھی اسلام کے اس قانون کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو جہاں اتنے حقوق دیے وہاں مطلقہ اور بیوہ عورت کو بھی دوبارہ

نکاح کرنے کی اجازت دی کیونکہ یہی فطرت کا تقاضہ ہے ۔کنواری کی نسبت بیوہ اور مطلقہ کا نکاح زیادہ ضروری ہے تاکہ وہ کسی برائی میں نہ پڑ جائے ۔

اسلام نے شادی کے معاملے کو بہت آسان کر کے پیش کیا کہ مرد یا عورت نکاح کا پیغام بھیجے اور نکاح کی تاریخ مقرّر کر کے چند آدمی لڑکی کے گھر جائیں اور وہاں گواہوں کی موجودگی میں نکاح پڑھایا جائے اور عورت کا حق مہر مقرّر کیا جائے اور اگلے دن ولیمہ کر دیا جائے ۔بس نکاح مکمل ہو گیا۔

دوسری طرف ہمارے معاشرے نے ایسی ایسی رسومات کو شادی میں لازم کر لیا ہے کہ اب شادی کرنا عذاب نظر آتا ہے ۔غریب تو غریب امیر بھی شادی کرتے وقت پریشان نظر آتے ہیں حالانکہ مقالہ نگار نے دلائل سے بیان کیا کہ نکاح کا اسلامی معاملہ کتنا آسان اور قابل عمل ہے ۔

نوٹ: ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی شادی بیاہ کی رسومات کا اگر ہندو معاشرہ میں پائی جانے والی شادی بیاہ کی رسومات سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر رسومات ہندوانہ ہیں ۔اس مقالہ کے باب دوم میں (جو ہندومت سے متعلق ہے)' آپ اپنے معاشرے میں پائی جانے والی رسومات بخوبی دیکھ سکتے ہیں ۔

آخر میں' میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے میں نے اپنی بساط کے مطابق اس موضوع کے متعلق مستند حقائق پیش کرنے کی کوشش کی اور آخر میں اپنے موضوع کو سمیٹتے ہوئے حرف آخر بھی بیان کیا ہے تا کہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے ۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس سعی کو قبول فرمائے اور اسے میری اور میرے والدین کی نجات کا ذریعہ بنائے ۔آمین یارب العالمین !

❁❁❁

کتابیات

(حروفِ تہجی کے اعتبار سے)

کتاب	مصنّف
قرآن حکیم	
آدابِ شہریت	ایم عبدالرحمٰن
ارتھ شاستر	کوتلیہ چانکیہ مترجم: سلیم اختر
ارمغان وید: پُران اور شاستر کی روشنی میں	رام راج مترجم: عبدالرحمٰن صدیقی
اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ	
ازدواجی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز	مولانا جعفر خان ندوی
اسلامی شادی	مولانا اشرف علی تھانوی
اسلامی تہوار و رسومات	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
اسلام میں حیثیتِ نسواں	محمد مظہر الدین صدیقی
اسلام کا نظامِ عفت و عصمت	مولانا محمد ظفیر الدین
اسلام کا فوجداری قانون	عبدالقادر
اسلام اور عورت	عبدالقیوم ندوی
اسلام کا معاشرتی نظام	ڈاکٹر خالد علوی
اسلام کے عائلی قوانین	مولانا مجاہد الاسلام

اسلام برائے مذاہب ہند	محمد فاروق کمال
اشرف الہدایہ	مولانا جمیل احمد سکروڈھوری
اصلاح الرسوم	مولانا اشرف علی تھانوی
الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
المنجد	لوئیس معلوف الیسوعی
بائبل کے زمانے کے رسوم و رواج	کے ایل ناصر
پردہ	سید ابوالاعلیٰ مودودی
پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا	ای ڈی میکلیگن مترجم: یاسر جواد
تاریخِ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
تاریخِ اسلام	مولانا اکبر شاہ
تاریخِ ہندوستان	ابوریحان البیرونی
تاریخِ مذاہب	ڈاکٹر رشید احمد جالندھری
تاریخِ تمدنِ ہند	محمد طیب
تحفۃ الہند	لتھا سلوئی
تمدنِ عرب	سید علی بلگرامی
تمدنِ ہند	گستاؤلی بان مترجم: سید علی بلگرامی
جدید فقہی مسائل (مکمل و مدلّل)	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین	محمد صدیق خان شبلی
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ مترجم: عبدالرحیم

خواتینِ ملت	مسلم بی اے
روح الاسلام	سید امیر علی مترجم: محمد ہادی حسین
رگ وید	سوامی دیانند سرسوتی مترجم: نہال سنگھ
روایات تمدن قدیم	علی عباس جلال پوری
ستیارتھ پرکاش	سوامی دیانند سرسوتی
سنسکار ودھی	سوامی دیانند سرسوتی
سیرت النبی ﷺ	سید سلیمان ندوی
سیرت ابنِ ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام
سیرتِ محبوب کائنات	عبدالمجید دہلوی
شادی کا شرعی معیار	مفتی اسداللہ نعمانی
شادی ایک مکمل مطالعہ	انعام الرحمٰن سحری
شادی کی تاریخ	ایڈروڈ ویسٹر مارک مترجم: محمد یحیٰ خان
ضیاء النبی ﷺ	پیر کرم شاہ
عورت انسانیت کے آئینہ میں	ایم عبدالرحمٰن
عورت: قرآن وسنت وتاریخ کے آئینہ میں	ڈاکٹر عابد علی
عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام	حافظ سید ضیاء الدین
عورت اسلامی معاشرہ میں	سید جلال الدین عمری
عورتوں کے بارے میں قرآنی احکامات	پروفیسر رفیع اللہ شہاب

فتاویٰ عالمگیری	مواہب الرحمٰن مترجم: سید امیر علی
کتاب مقدس (بائبل)	
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	عبدالرحمٰن الجزیری مترجم: منظور احسن عباسی
قانون ورواجِ ہنود	جان ڈی مین مترجم: مولوی اکبر علی
قاموس الکتاب	ایف ایس خیر اللہ
گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا	مدیر: پادری صابر صادق
مجموعہ قوانینِ اسلام	ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن
مسلمان عورت	مولانا ابوالکلام آزاد
مسلم ثقافت ہندوستان میں	عبدالمجید سالک
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی
منوسمرتی	منو
منودھرم شاستر	منو مترجم: ارشد رازی
منو کا قانون اور اسلامی قانون	عبدالقیوم جالندھری
ہدیۃ العروس	حافظ مبشر حسین
ہندوستان	ول ڈیورانٹ مترجم: طیب رشید
ہندوستانی تہذیب کی داستان	اے ایل باشم مترجم: ایس غلام سمنانی

عربی کُتب

(حروفِ تہجی کے اعتبار سے)

کتاب	مصنّف
الہدایہ	علی بن ابی بکر المرغینانی
بدائع الصنائع	امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی
سنن الترمذی	امام ترمذی' ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی
سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد' سلیمان بن الاشعث السجستانی
سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ' محمد بن یزید القزوینی
سنن النسائی	امام نسائی' ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی
شعب الایمان	امام بیہقی' ابی بکر احمد بن الحسین
شرح وقایہ	تاج الشریعہ محمود بن احمد
صحیح البخاری	امام بخاری' محمد بن اسماعیل
صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری
طبقات الکبریٰ (طبقات ابن سعد)	محمد بن سعد
مسند احمد	امام احمد بن حنبل الشیبانی
مظاہر حق	محمد قطب الدین
مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابن ابی شیبہ' ابوبکر عبداللہ بن محمد
نیل الاوطار	امام شوکانی' محمد بن علی بن محمد

تفاسیر

(حروفِ تہجی کے اعتبار سے)

تفسیر	مفسّر
بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی
بیان القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد
تفسیر بیضاوی	ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی
تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی
تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی
روح المعانی	شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ

English Books & Sites

- Jewish Encyclopedia
- Encyclopedia of Religions & Ethics
- The Plain Truth, March 1988
- www.judaism101marriage.com
- www.marriage.com
- www.jewishviewsofmarriage.com
- www.marriageinjudaism.com